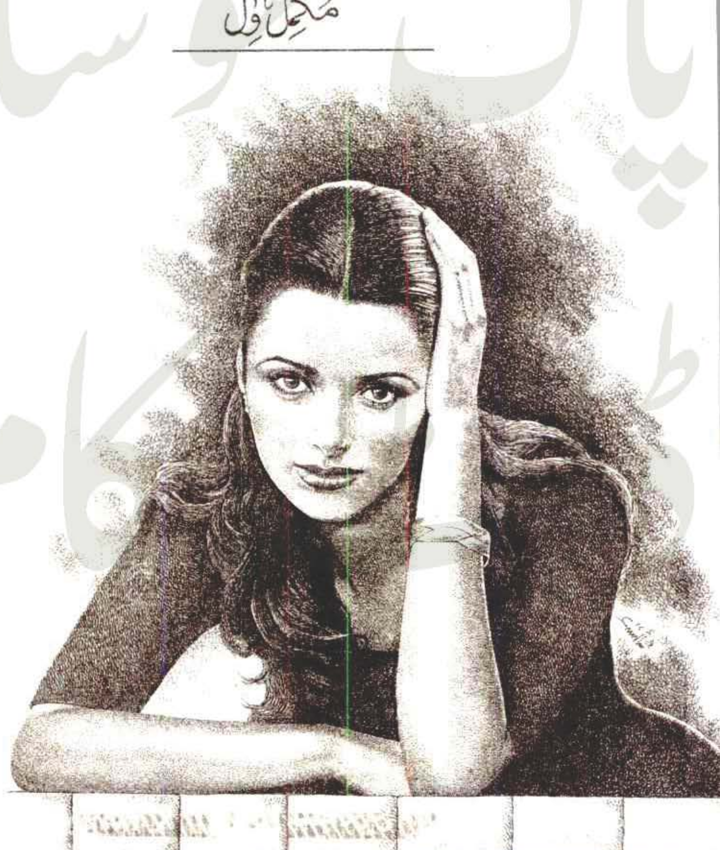
نمرہ احمد

نمل

فارس غازی انٹیلی جنس کے اعلا عہدے پر فائز تھا۔ فارس غازی اپنے سوتیلے بھائی وارث غازی اور اپنی بیوی کے قتل کے الزام میں، چار سال سے جیل میں قید ہے۔ سعدی یوسف فارس غازی کا بھانجا ہے جو اپنے ماموں فارس غازی سے جیل میں ہر ہفتے ملنے آتا ہے۔

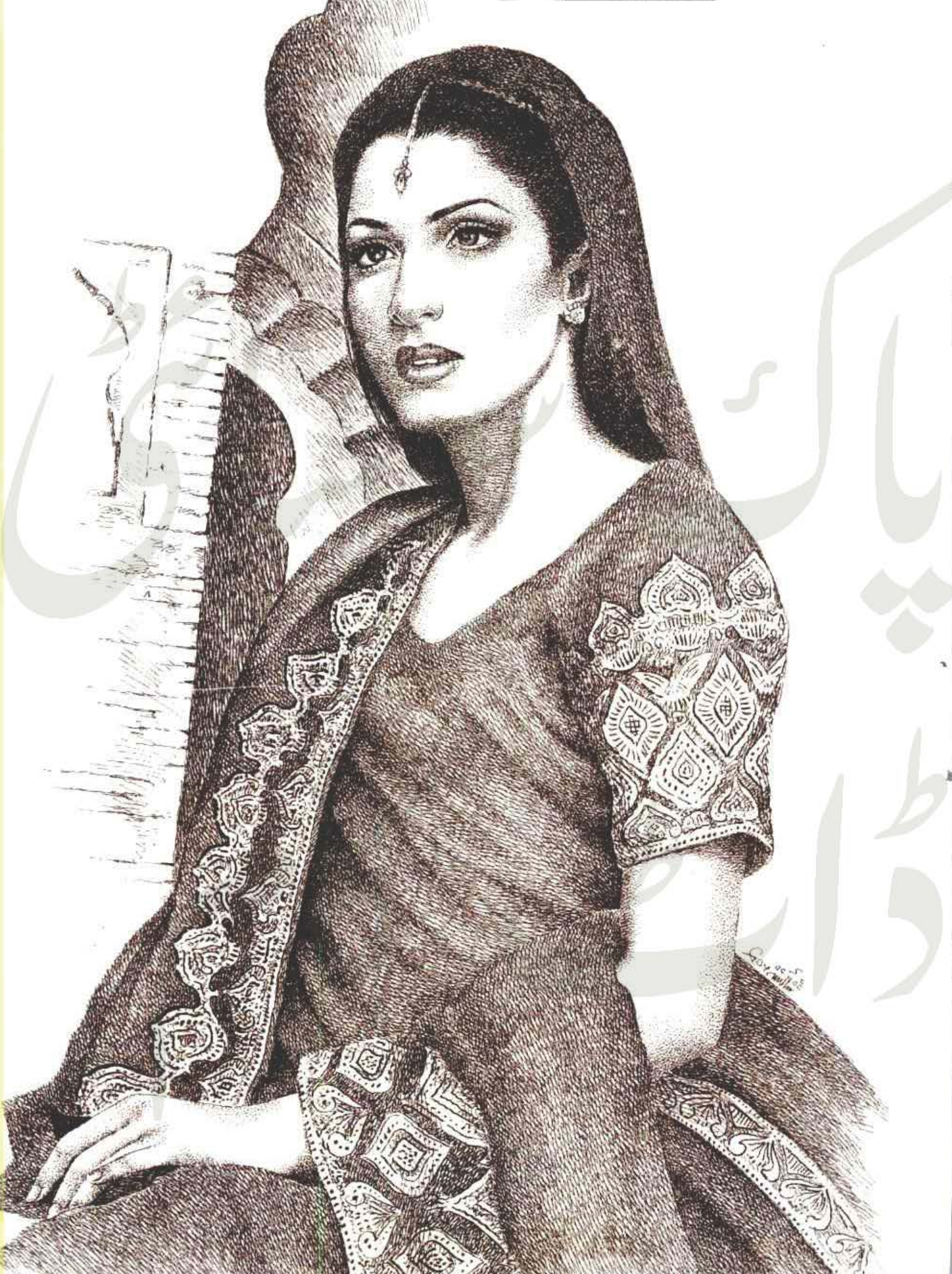
سعدی یوسف تین بہن بھائی ہیں' ان کے والد کا انتقال ہو چکا ہے۔ سعدی یوسف کی والدہ نے کڑی مشقت کر کے بچوں کی پرورش کی ہے' حنین اور اسامہ' سعدی سے چھوٹے ہیں۔ ان کی والدہ ایک چھوٹا سا ریسٹورنٹ چلاتی ہیں۔ زمر' سعدی

مکمل ناول



۳

تیسری قسط



یوسف کی پھپھو ہے۔ وہ چار سال قبل فائرنگ کے ایک واقعہ میں زخمی ہو جاتی ہے۔ فائرنگ کا الزام فارس غازی پر ہے۔ فارس غازی کو شک تھا کہ اس کی بیوی اس کے بھائی کے ساتھ انوالو ہے۔ اس نے جب فائرنگ کی تو زمر اس کی بیوی کے ساتھ تھی فائرنگ کے نتیجہ میں بیوی مرجاتی ہے اور زمر شدید زخمی ہو جاتی ہے۔ ایک انگریز عورت اپنا گردہ دے کر اس کی جان بچاتی ہے۔ فارس غازی 'سعدی یوسف کا ماموں ہے۔ اسے یقین ہے کہ اس کا ماموں بے گناہ ہے۔ اسے پھنسایا گیا ہے۔ اس لیے وہ اسے بچانے کی کوشش کرتا ہے' جس کی بنا پر زمر اپنے بھتیجے سعدی یوسف سے بدظن ہو جاتی ہے۔ بدظن ہونے کی ایک اور بڑی وجہ یہ ہے کہ زمر جب موت و زندگی کی کشمکش میں ہوتی ہے تو سعدی اس کے پاس نہیں ہوتا۔ وہ اپنی پڑھائی اور امتحان میں مصروف ہوتا ہے۔

جواہرات کے دو بیٹے ہیں۔ ہاشم کاردار اور نوشیرواں۔

ہاشم کاردار بہت بڑا وکیل ہے۔ ہاشم اور اس کی بیوی شہرین کے درمیان علیحدگی ہو چکی ہے۔ ہاشم کاردار کی ایک بیٹی سونیا ہے۔ جس سے وہ بہت محبت کرتا ہے۔ ہاشم سونیا کی سالگرہ دھوم دھام سے منانے کی تیاریاں کر رہا ہے۔

فارس غازی' ہاشم کاردار کی پھپھو کا بیٹا ہے۔ جیل جانے سے پہلے وہ ہاشم کے گھر میں' جس میں اس کا بھی حصہ ہے' رہائش پذیر تھا۔ فارس غازی کے جیل جانے کے بعد اس کا پورشن مقفل ہے۔

سعدی یوسف کے لیے وہ دن خوشیوں سے بھرپور تھا جب اسے فارس غازی کے رہا ہونے کی خبر ملتی ہے۔

ہاشم نے یہ خبر سن کر عہد کیا کہ اگر اس میں سعدی کا ہاتھ ہے تو اسے اس کا حساب دینا ہوگا۔ فارس غازی جیل سے نکلتا ہے تو سعدی یوسف ان کا منتظر ہوتا ہے۔ فارس اس سے قبرستان چلنے کو کہتا ہے۔ قبرستان جا کر فارس دو قبروں پر فاتحہ پڑھتا ہے۔ وہ گاڑی سے اترتے ہوئے سعدی کا موبائل لے لیتا ہے۔ قبرستان میں وہ کسی کو فون کر کے کوئی ہتھیار منگواتا ہے۔

ہاشم کاردار' زمر کو اپنی بیٹی سونیا کی سالگرہ کا کارڈ دینے کے ساتھ سعدی کا کارڈ بھی زمر کو دے دیتا ہے۔

زمر کے والد کو اپنے پوتے سعدی یوسف سے بہت محبت ہے۔ وہ زمر سے کہتے ہیں' سعدی کی سالگرہ پر وش کرنے ان کے گھر جائے۔ وہ پھول لے کر کارڈ دینے سعدی کے گھر جاتی ہے۔ زمر کو دیکھ کر سعدی کے ساتھ تمام گھر والے حیران ہو جاتے ہیں۔ زمر' سعدی کو سونیا کی سالگرہ کا کارڈ دیتی ہے۔

زمر کے جانے کے بعد سعدی نے ہاتھ میں پکڑے سیاہ اور سنہرے کارڈ کو دیکھا۔ اسی وقت ایک منظر اس کی آنکھوں کے سامنے جھلملایا۔ اس نے ہوٹل میں ہاشم کے لیپ ٹاپ پہ فلیش ڈرائیو لگایا تھا۔ وہ اس کے لیپ ٹاپ سے ڈیٹا حاصل کرنا چاہتا تھا۔ سعدی نے جب بیگ سے ٹیبلٹ نکالا تو اسے پریس کرنے کے بعد اسکرین پہ پیغام آیا کہ آپ کی ڈیوائس کو ایک ہارڈ ڈرائیو ملی ہے' کیا آپ سارا ڈیٹا کاپی کرنا چاہیں گے؟ سعدی نے مسکراتے ہوئے "یس" دبایا۔ اسکرین پہ دوسرا پیغام دیکھ کر سعدی کی مسکراہٹ غائب ہو گئی۔

اسکرین پہ پیغام جل بجھ رہا تھا کہ "پاس ورڈ داخل کریں" سعدی کے پاس' پاس ورڈ نہیں تھا۔

سعدی یوسف' ہاشم کاردار کی سابقہ بیوی شہرین سے ایک شاپنگ مال میں مل کر کہتا ہے۔ مجھے آپ سے ہاشم بھائی کے لیپ ٹاپ کا پاس ورڈ چاہیے۔ شہرین' سعدی سے کہتی ہے کہ "تم کیا کرنے جا رہے ہو؟" سعدی زخمی مسکراہٹ کے ساتھ کہتا ہے کہ "ہاشم بھائی نے جو ہم سے چرایا تھا' میں وہ واپس چرانے جا رہا ہوں۔"

شہرین نوشیرواں کے پاس جا کر کہتی ہے کہ سونیا کو اس کی اور ہاشم کی ہنی مون کی پکچرز چاہئیں۔ یہ جھوٹ بول کر نہایت چالاکی سے شہرین نوشیرواں سے ہاشم کے لیپ ٹاپ کا پاس ورڈ حاصل کرنے میں کامیاب ہو جاتی ہے۔

حنین یوسف پر اس کی دوست کی وجہ سے کمرہ امتحان میں نقل کا الزام لگتا ہے ٹیچرز حنین سے کہتی ہیں کہ اس پر کیس بنے گا اور وہ تین سال تک پیپرز نہیں دے سکتی۔ وہ حنین کو آفس میں بٹھا کر چلی جاتی ہیں تو حنین کی نظر میز پہ سپرنٹنڈنٹ کے پرس کے ساتھ رکھے موبائل پر پڑتی ہے۔ حنین موبائل اٹھا کر دھڑکتے دل سے ہاشم کا نمبر ملا کر اسے تمام صورت حال

سے آگاہ کرتی ہے۔ ہاشم کچھ دیر بعد ہی امتحانی مرکز میں پہنچ جاتا ہے اور کمال ہوشیاری سے حنین کو مشکل وقت سے نہ صرف نکلواتا ہے بلکہ حنین کو پیپر مکمل کرنے کے لیے ٹیچرز سے ایکسٹرا ٹائم بھی دلوا دیتا ہے۔

پیپر دینے کے بعد حنین ہاشم کا شکریہ ادا کرتی ہے اور ہاشم سے کہتی ہے۔ کہ سعدی بھائی کو اس معاملے کے بارے میں مت بتایئے گا۔ ہاشم حنین سے پارٹی میں آنے کا پوچھتا ہے جس پر حنین کہتی ہے کہ پارٹی میں ہم سب آئیں گے۔

قصر کے سبزہ زار میں سیاہ شام سنہرے تاروں کے ساتھ جلوہ گر تھی۔ روشنیاں، قہقہے، سیاہ اور سنہری امتزاج سے بجی سونیا کی سالگرہ کی تقریب کی رونق عروج پر تھی۔

حنین سنہری فراک میں جبکہ سعدی، سیم اور زمر سیاہ سوٹ میں ملبوس تقریب میں شریک تھے۔ شہرین ان کی میز کے پاس آکر زمر کو ڈی اے کہہ کر پکارتی ہے اور سعدی سے رسمی سا حال احوال پوچھ کر کمال مہارت سے نیب پکڑا کر وہاں سے چلی جاتی ہے۔ سعدی نیب کو کوٹ کی اندرونی جیب میں رکھ کر سوچتا ہے کہ آدھا کام ہو گیا مگر ابھی پاس ورڈ لینا باقی ہے۔

جواہرات دو، تین خواتین کے ساتھ سعدی اور زمر کی میز کی طرف آتی ہے۔ جواہرات اپنی فرینڈز سے زمر کا تعارف کرواتی ہے پھر سعدی یوسف کا تعارف بھی کروا کر سعدی سے کہتی ہے کہ وہ اپنا شجرہ نسب ان خواتین کو بتائے۔ نوشیرواں قدرے فاصلے پر کھڑا تند نظروں سے ادھر ہی دیکھ رہا تھا۔ سعدی سمجھ جاتا ہے کہ جواہرات اس وقت نوشیرواں کی بے عزتی کا بدلہ اتار رہی ہے، پھر سعدی اپنا شجرہ نسب ایسا بتاتا ہے کہ جس سے نوشیرواں کا چہرہ سیاہ پڑ جاتا ہے اور جواہرات کے چہرے کا رنگ اڑ جاتا ہے اسی دوران جواہرات اپنی فرینڈز سے زمر کے سابقہ منگیتر حماد کا ذکر چھیڑ دیتی ہے، جس کی وجہ سے زمر ڈسٹرب ہو جاتی ہے۔

شہرین بڑی ہوشیاری سے سعدی کو پاس ورڈ بتا دیتی ہے۔

دوسری جانب زمر کا گیسٹ روم میں فارس سے سامنا ہو جاتا ہے فارس کو دیکھ کر زمر غصے میں باہر کی طرف آجاتی ہے۔

پاس ورڈ ملنے کے سعدی ہاشم کے کمرے میں جا کر اس کے لیپ ٹاپ پہ فلیش ڈرائیو لگا کر ڈیٹا کاپی کرنے میں کامیاب ہو جاتا ہے۔

چیف سیکریٹری آفیسر خاور ہاشم کو اس کے کمرے کی فوٹیج دکھاتا ہے جس میں سعدی کمرے میں جاتے ہوئے نظر آتا ہے۔ ہاشم خاور کے ساتھ بھاگتا ہوا کمرے میں پہنچتا ہے، لیکن سعدی پکڑ میں آئے بغیر وہاں سے نکلنے میں کامیاب ہو جاتا ہے۔

ہاشم غصے میں خاور سے کہتا ہے کہ سعدی جیسے ہی ایگزٹ پر پہنچے ' اسے روکو۔ جبکہ ملازمہ فیونا ہاشم کے کہنے پر جان بوجھ کر سعدی سے ٹکراتی ہے اور اس کے کوٹ میں نیکلس ڈال کر معذرت کرتی ہوئی آگے بڑھ جاتی ہے۔

جیسے ہی زمر، سعدی، حنین اور سیم گھر جا رہے ہوتے ہیں تو خاور انہیں روک کر بتاتا ہے کہ مسز جواہرات کا نیکلس چوری ہو گیا ہے، زمر غصے میں خاور سے کہتی ہے کہ یہ میری فیملی کے بچے ہیں 'ان کی تلاشی لینے سے پہلے میری تلاشی لینا ہو گی۔ اس دوران ہاشم بھی وہاں آجاتا ہے اور پھر بگڑتی صورت حال دیکھ کر انہیں جانے دیتا ہے۔

ریسٹورنٹ کا بل دینے کے لیے سعدی حنین سے اپنے کوٹ سے والٹ نکالنے کو کہتا ہے' حنین کے ہاتھ میں والٹ کے بجائے نیکلس آجاتا ہے۔ زمر کی نگاہیں نیکلس کو دیکھ کر ٹھہر جاتی ہیں' زمر غصے میں سعدی کو کہتی ہے اسے گھر ڈراپ کر دے۔

ہاشم کو پتا چل جاتا ہے کہ سعدی اس کے کمرے میں لیپ ٹاپ سے ڈیٹا کاپی کرنے آیا تھا اور شہرین نے نوشیرواں کو استعمال کر کے پاس ورڈ سعدی کو دیا تھا۔

دوسری جانب بڑے ابا زمر کو یہ بتا دیتے ہیں کہ زمر کو کسی یورپین خاتون نے نہیں بلکہ سعدی نے گردہ دیا تھا۔ یہ سن کر زمر کو بے حد دکھ ہوتا ہے۔

زمر سعدی کے ریسٹورنٹ جاتی ہے اور اسے کہتی ہے کہ بڑے ابا نے اسے بتا دیا ہے کہ اسے گردہ کسی خاتون نے نہیں بلکہ اس نے دیا ہے۔ اسی دوران فارس وہاں آجاتا ہے جسے دیکھ کر زمر نفرت آمیز نگاہ فارس پر ڈال کر وہاں سے چلی جاتی ہے۔ سعدی بہت دنوں بعد آفس جاتا ہے اور اپنی باس سارہ کو فیلڈ رپورٹ دے کر کہتا ہے کہ اس نے کام مکمل کر لیا ہے، اور فیلڈ پہ جانے کی تیاری بھی مکمل کر لی ہے۔

پہلا تاثر، پہلا تعارف

محبت صابر ہوتی ہے۔
محبت مہربان ہوتی ہے۔
یہ حسد نہیں کرتی، شیخی نہیں بگھارتی۔
مغرور نہیں ہوتی۔
یہ ترش نہیں ہوتی، خودشناس ہوتی ہے۔
جلد غصہ نہیں کرتی، غلطیوں کا حساب نہیں رکھتی۔
بدی میں خوش نہیں ہوتی، صرف سچ میں تسکین پاتی ہے۔
ہمیشہ حفاظت کرتی ہے، ہمیشہ بھروسہ کرتی ہے۔
ہمیشہ امید رکھتی ہے، ہمیشہ ثابت قدم رہتی ہے۔
محبت کبھی ناکام نہیں ہوتی۔
مگر جو پیش گوئیاں ہیں۔
وہ ختم ہو جائیں گی۔
جو زبانیں ہیں۔
وہ خاموش کرا دی جائیں گی۔
اور جو علم ہے...
وہ دم توڑ جائے گا...

(عہد نامہ جدید، انجیل مقدس)

مرحوم ذوالفقار یوسف کے چھوٹے باغیچے والے گھر میں اس رات کسی تہوار کی طرح رونق بکھری تھی۔ گول میز کے گرد سعدی کی والدہ اور بہن بھائی کے علاوہ وعدے کے مطابق پھپھو اور دادا بھی تھے اور وہ بہت خوش نظر آ رہے تھے۔ بڑے ابا، ندرت کو خاندان میں کسی کا قصہ سناتے ہوئے اس بات کو اپنے ماضی کی کسی یاد سے جوڑتے پیچھے چلے گئے تھے اور اب کوئی لمبی سی مثال دے رہے تھے۔

"بڑے ابا اصل میں امتحانی پرچوں میں دی گئی اس ہدایت پہ عمل کرتے ہیں جو کہتی ہے مندرجہ بالا تصویر کو مثالوں سے واضح کریں۔"

وہ ساتھ ساتھ ان کی ہربات پہ تبصرہ بھی کر رہا تھا۔ بڑے ابا نے تو کوئی توجہ نہ دی۔ زمر البتہ مسکراہٹ دبائے کھانا کھاتی رہی۔ حنین قدرے لاتعلق بیٹھی (صرف زمر سے) کھا رہی تھی (ہونہہ جب پتہ چلا کہ بھائی نے کر دیا ہے تو آ گئیں۔ اب بھائی اچھا ہو گیا) اور سیم اپنے بھائی کے کھانے اور بولنے کے انداز کی بھرپور نقالی کی کوشش میں پرجوش سا لگ رہا تھا۔

"پھپھو! میں اس دفعہ سیکنڈ آیا تھا ایگزامز میں۔"

مہمان کے سامنے تو وہ آواز کو اتنا معصوم اور شرمیلا بنا لیتا تھا کہ حنین نے تعجب سے گھورا، مگر وہ کہے جا رہا تھا۔ "اور جو لڑکا تھرڈ آیا، وہ مجھ سے آگے بیٹھا تھا اور پرچی بنا کر مجھ سے پچھلے والے کو نقل کروا رہا تھا اور میں نے اسے..."

"سیم یوسف!" حنین نے اضطراب سے پہلو بدلتے ٹوکا "اگر آپ ہمیں اپنی باتوں سے کچھ دیر مستفید نہ کریں تو کتنا اچھا ہو۔" راز پرانے ہونے کے ساتھ وزنی ہوتے جاتے ہیں۔ اس کے کندھوں پر دھرا بوجھ اور بھی بڑھ گیا۔

سیم نے اداسی سے منہ لٹکا لیا، پھر زمر کو دیکھا، وہ کھانا ختم کر چکی تھی اور باوقار انداز میں پیچھے ہو کر بیٹھی، مسکرا کر اسے دیکھ رہی تھی۔ سیم کی آنکھوں میں امید جھلکی۔

"پھپھو میں بولتا رہوں؟"

"ہاں تم بولتے رہو۔" زمر نے مسکرا کر سر کو خم دیا۔ وہ زیادہ پرجوش ہو کر وہی قصہ دہرانے لگا۔

حنین سر جھٹک کر پانی پینے لگی۔ اس کا انداز کھنچا کھنچا سا تھا، یہ زمر نے پہلے بھی محسوس کیا تھا اور اب تو سب نے ہی کیا، مگر سعدی نے نظرانداز کر دیا اور زمر تو ویسے بھی متحمل مزاج اور میچور تھی، اس نے یوں ظاہر کیا جیسے محسوس ہی نہ کیا ہو اور سیم کے ماتھے کے بال نرمی سے سنوارتی، مسکرا کر اس کو سننے لگی۔

سیم کو اب پچھلی بات بھول گئی تھی، اسے نئی فکر نے آن گھیرا تھا۔

"پھپھو! بھائی جب چھوٹا تھا تو کیسا تھا؟"

سعدی فریج کے دروازے کو کھولے کھڑا، پانی کی بوتل نکال رہا تھا، اس سوال پہ فوراً پلٹا۔ "سعدی جیسا

کوئی نہیں ہے پھپھو کے لیے۔" اس نے واضح سیم کو چڑایا۔

"ہاں مگر سیم کی اپنی جگہ ہے۔" زمر نے سیم کا ہاتھ تھام کر کہا۔

"بھائی جیسا کوئی کیوں نہیں ہے؟"

"اس لیے سیم کہ جب سعدی تم جتنا تھا تو میں حنین جتنی تھی اور ہم بہترین دوست تھے۔ ہمارا اسکول بھی ایک تھا اور اسکول جانے سے پہلے اپنے اپنے گھر سے ہم ایک ہی کارٹون دیکھ کر نکلا کرتے تھے۔ ہمارے زمانے میں صبح سات بجے پی ٹی وی پہ کارٹون لگا کرتے تھے۔"

سعدی بوتل ہاتھ میں لیے واپس کرسی پہ آ بیٹھا۔ حنین خاموشی سے ندرت کے ساتھ برتن اٹھوانے لگی۔ کھانا کھایا جا چکا تھا اور وہ مزید' زمر کے قریب نہیں بیٹھنا چاہتی تھی۔

"اور ہمیں گیمز بھی ایک ہی طرح کی پسند تھیں زمر!" سعدی یاد کر کے مسکراتے ہوئے بتانے لگا۔

"ہم برف پانی' اونچ نیچ' پکڑن پکڑائی' ٹیلو ایکسپریس کھیلا کرتے تھے اور ہاں کنگ اور ڈارک روم اور کونا کونا بھی۔"

"اور وہ ویڈیو گیم یاد ہے بطخ والی سعدی؟ ڈک ہنٹ؟ ہم پستول سے ٹی وی اسکرین پہ فائر کیا کرتے اور اڑتی ہوئی بطخیں گر جاتیں۔" حنین نے ایک دم سر اٹھایا میز صاف کرتے ہاتھ رکے۔

"وہ پستول ابھی بھی پڑی ہے ہمارے پاس!" بے اختیار وہ کہہ اٹھی' اس پہ زمر نے مسکرا کر اسے دیکھا' تو وہ ایک دم جلدی جلدی اپنا کام ختم کرنے لگی۔

"اور اس میں سپر ماریو بھی تھی اور ٹینکس والی ایک گیم بھی' اور پھپھو! یاد ہے ہم گھنٹوں بیٹھ کر monopoly کھیلا کرتے تھے۔ مگر میں مونوپلی میں ہمیشہ دیوالیہ ہو جاتا تھا' کیونکہ پھپھو اتنی اچھی پلانر تھیں کہ ساری بہترین زمینیں خرید لیتیں اور میں ٹھہرا جذباتی اور ناکام پلانر' میری گوٹ جیل میں ہی پھنسی رہتی۔"

"اور سعدی' وہ ایک کارڈز گیم بھی تو ہم کھیلتے تھے رنگ برنگے کارڈز جن پہ نمبر لکھے ہوتے تھے۔" زمر نے یاد کرنے کی کوشش کی۔ حنین' جو واپس آ بیٹھی تھی' پھر سے خود پہ قابو نہ رکھ سکی۔ بنا سوچے سمجھے بولی۔

"وہ اونو (ONO) تھی۔ ہمارے پاس ابھی بھی پڑی ہے۔"

"اچھا واقعی؟ تمہیں وہ بہت پسند تھی حنین' مجھے یاد ہے۔ اور تمہیں اسونچو' اگزیکٹو ٹائپ کی گیمز بھی بہت پسند تھیں۔" زمر اب رخ بالکل حنین کی طرف موڑ کر بولی تو حنین کے لبوں پہ ایک بھولی بسری مسکراہٹ آ ٹھہری۔

"اور آپ کو عینک والا جن بہت پسند تھا۔"

"خیر مجھے تو نستور پسند تھا اور نستور کے بارے میں' میں اپنی فیلنگز چھپانے کی بالکل قائل نہیں ہوں۔"

حنین کی مسکراہٹ اور بھی بڑھی۔ "اور آپ کو دھواں ڈرامہ بھی بہت پسند تھا۔ ہمارے پاس کیسٹیں تھیں اس کی' اور آپ ہر دفعہ داؤد کے مرنے کے سین پہ اٹھ کر چلی جایا کرتی تھیں۔"

"اوہ حنین' میں تو یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ ڈرامہ نگار اسی کردار کو کیوں مار دیتا ہے جس کو ہم بہت پسند کرتے ہیں؟"

"اونہوں!" حنین نے نفی میں سر ہلایا۔ "انہیں جس کردار کو مارنا ہوتا ہے' وہ آپ کو پسند کرنے پہ مجبور کر دیتے ہیں۔"

"پھپھو مجھے بھی ONO کھیلنی آتی ہے' کیا ہم کھیلیں؟" سیم سے زیادہ دیر نظر انداز ہونا برداشت نہیں ہوا۔ حنین چونکی' پھر مسکراہٹ دھیمی ہوئی' ذرا پیچھے ہو کر بیٹھی۔ وہ کس خوشی میں اتنا بولے جا رہی تھی بھلا؟ خود کو ڈانٹا۔

"ہاں اونو کھیلتے ہیں۔" سعدی نے اس کو بغور دیکھتے درمیان کا راستہ نکالا۔

"جاؤ حنہ' اونو لے آؤ' مگر کارڈز میں (shuffle) شفل کروں گا۔ یاد ہے پھپھو! حنہ اپنے گھٹنے کے نیچے ڈرا فور کے چاروں کارڈ پہلے ہی چھپا لیتی

تھی' اس لیے میں کبھی بھی نہیں جیتتا تھا۔ مجھے آج احساس ہو رہا ہے کہ میں یہ سارے گیم ہمیشہ ہار جاتا ہوں۔ اس لیے حنین' تم آج اپنی چیٹنگ کرنے کی صلاحیتوں سے باز رہنا۔" مصنوعی ناراضی سے اس نے حنین کو دیکھتے ہوئے کہا مگر۔۔۔

حنین ذوالفقار یوسف خان۔ بالکل ساکت رہ گئی۔ سعدی کو بے یقینی سے دیکھتی اس کی نگاہیں پتھرا گئیں۔ رنگت سفید پڑی' جیسے وہ کوئی برف کا مجسمہ ہو۔

"میں۔۔۔ چیٹنگ نہیں کرتی بھائی!" اس نے اتنی بے یقینی سے اسے دیکھتے کہا تھا کہ سعدی کی مسکراہٹ غائب ہوئی۔ حنین ایک دم کھڑی ہوئی۔ زمر نے بھی سر اٹھا کر اسے دیکھا۔

"میں کارڈز لاتی ہوں۔" وہ مڑ گئی۔ سعدی فوراً" اس کے پیچھے لپکا۔

"آئی ایم سوری' میں نے۔۔۔ میرا یہ مطلب نہیں تھا۔" وہ سعدی کے کمرے میں اسٹڈی ٹیبل کے سامنے کھڑی تھی جب وہ اس کے سامنے آیا۔ حنین سر ہلا کر' جھک کر دراز کھولنے لگی۔

"مجھے پتا ہے' تم کبھی چیٹنگ نہیں کر سکتیں۔ میں صرف مذاق کر رہا تھا۔"

"آئی نو۔" اس نے کارڈز نکالے اور دراز بند کر کے سیدھی ہوئی۔ وہ اسی طرح فکر مندی سے اپنی بہن کو دیکھ رہا تھا جس کی رنگت ہنوز سفید تھی۔

"حنین! ہمارا مسیحا صرف ایک شخص ہوتا ہے اور وہ شخص ہم خود ہوتے ہیں۔"

"مجھے پتا ہے بھائی!" اس نے سر ہلا کر پھیکا سا مسکرانے کی کوشش کی پھر مڑی تو ایک دم قدم زنجیر ہوئے۔

سعدی کا لیپ ٹاپ کھلا پڑا تھا۔ زمر کے آنے سے قبل وہ جو کام کر رہا تھا' وہ یونہی رکھا تھا۔ اسکرین پہ نمبرز چل رہے تھے۔ اوپر نیچے' حنین کی آنکھوں کی پتلیاں سکڑیں اس نے چہرہ ذرا آگے کیا۔

ایک ہاتھ نے دھپ سے لیپ ٹاپ اسکرین کو کی بورڈ پہ گرا دیا۔ اس نے چونک کر بھائی کو دیکھا۔

"او لو گو دیر نہیں کراتے' گناہ ملتا ہے۔" مگر وہ یونہی سعدی کو دیکھتی رہی۔ اس کی آنکھوں میں الجھن' شک' سب کچھ تھا۔

"بھائی! آپ کیا کر رہے ہیں؟"

مگر زمر ادھر ہی آ رہی تھی۔

"سعدی۔۔۔ ہاشم!" کہتے اس نے فون پکڑایا۔ سعدی نے گڑبڑا کر فون تھاما' چہرے سے وہ خوشگوار تاثرات غائب ہوئے اور ان کی جگہ سنجیدگی نے لے لی۔

"جی۔۔۔ اوکے۔" اس نے فون بند کیا تو حنین تیزی سے بولی۔

"کیا کہہ رہے تھے' مطلب اس دن کے لیے معذرت کر رہے تھے؟"

سعدی لمحے بھر کو رکا۔ ہاشم نے کہا تھا کہ اس کی سیکرٹری صبح کال کر کے اسے ملاقات کا وقت دے دے گی' مگر چونکہ اس کا فی الحال ہاشم سے ملنے کا کوئی ارادہ نہ تھا' اس لیے اس نے "ہاں" کہہ کر بات ختم کر دی۔

"آپ گیم شروع کریں' میں آتی ہوں۔" وہ وہاں سے نکل آئی۔ اپنے پیچھے اسے سعدی اور زمر باتیں کرتے راہداری میں آگے جاتے محسوس ہوئے' مگر وہ اپنے اور سیم کے مشترکہ کمرے میں آئی۔ (جہاں آج پھپھو اور اسے رہنا تھا) دروازہ بند کیا۔ الماری کھولی۔ کپڑوں کا ماؤنٹ ایورسٹ آج نہیں گرا' کیونکہ صبح امی نے الماری جمائی تھی۔ وہ جوتوں کے خانے پہ جھکی' چند ڈبے باہر نکالے' پھر ہاتھ ڈال کر کونے میں رکھا ایک ننھا مخملیں ڈبا نکالا۔

سنہری مخمل کا وہ ڈبا کھولنے سے پہلے اس نے بہت دیر سوچا' اتنی دیر کہ ہاتھ شل ہو گئے' اور پھر اس نے کھول ہی دیا۔

اندر سنہرے مخمل پہ ایک سنہری چین والا لاکٹ رکھا تھا۔ مگر کسی سونے چاندی کی جگہ اس زنجیر میں سیاہ ہیرے کی شکل کا اسٹون پرویا تھا' جس کے اوپر سنہرے حروف میں "اہنشس ایور آفٹر" کندہ تھا۔ یہ سعدی کے کی چین کا جڑواں تھا۔

اس نے زنجیر کو ہولے سے چھوا مگر پھر ہاتھ ہٹا لیا، جیسے کرنٹ کے ننگے تار کو چھو لیا ہو، سر جھٹک کر ڈبا بند کیا، اسے پھینکنے والے انداز میں نچلے خانے میں ڈالا، جوتوں کے ڈبے اندر رکھے اور زور سے الماری بند کی۔

گہری سانس لے کر وہ اٹھی تو اس نے فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ بھائی کو ہاشم بھائی والی بات بتا دے گی۔ آخر ہاشم بھائی ہی تو تھے نا، کوئی غیر تو نہیں تھا۔ بھائی سمجھ جائے گا، اس لیے وہ بتا دے گی۔

مگر کب؟ یہ حنین نے ابھی طے نہیں کیا تھا۔

☆ ☆ ☆

ع: دشت طلب بھی کیا کوئی شہرِ طلسم ہے۔

جواہرات کا اندازہ ہمیشہ کی طرح درست تھا۔ نوشیروان دوستوں کی طرف نہیں گیا تھا۔ وہ اس پُر رونق مارکیٹ آگیا تھا جہاں رات میں بھی دن کا سماں تھا۔ جو نیٹو کنٹینرز آج کل لوٹے جا رہے تھے، ان کا سامان یہاں کوڑیوں کے بھاؤ بک رہا تھا، پٹھان اور مقامی دکاندار اس بات سے قطعاً" بے نیاز کہ وہ جو بیچ رہے ہیں وہ بے حد قیمتی، برانڈڈ اشیا ہیں، بہت مزے سے بھاؤ تاؤ میں مصروف تھے۔

نوشیرواں نے کار کہیں دور کھڑی کی تھی، اور اب وہ جیبوں میں ہاتھ ڈالے، فٹ پاتھ پہ چلتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا۔ ساتھ ساتھ اس کی متلاشی نگاہیں آس پاس چہروں کو کھوج رہی تھیں۔ اسی تلاش میں وہ آگے چلتا گیا۔ کافی دیر بعد ڈرائی فروٹ کی ایک سامنے سے کھلی دکان کے سامنے وہ رکا۔ چند ثانیے پتلیاں سکیڑ کر دکاندار کو دیکھتا رہا جو صافی سے اشیا جھاڑ رہا تھا۔ اور پھر آگے آیا۔

"جی صاحب، تازہ ڈرائی فروٹ ہے....." دکاندار اس کو دیکھ کر کپڑا رکھتا۔ جلدی جلدی اپنی اشیا کی خصوصیات گنوانے لگا۔ نوشیرواں نے پہلے دو فقرے تو بے زاری سے سن لیے، پھر بات کاٹ کر بولا۔

"چالیس گرام چاہیے۔"

"بس؟ مگر کون سا.....؟"

"تمہیں پتا ہے مجھے کیا چیز چالیس گرام چاہیے۔"

اس کی آنکھوں میں دیکھ کر درشتی سے بولا تو دکاندار کے الفاظ حلق میں اٹک گئے۔ اس نے زبردستی مسکرانے کی کوشش کی مگر رنگت متغیر ہو گئی۔

"صاب! تمہیں کوئی غلط فہمی ہوئی ہے، ہم ایسے کام نہیں کرتا۔"

"میں پولیس والا نہیں ہوں، مال دو تو میں جاؤں۔" وہ بگڑے تاثرات سے بولا۔

"صاب! میں نے بتایا نا، میں....."

"دیکھ بھائی! میری ایک جیب میں پستول ہے اور دوسری میں بٹوہ، میں تجھے کون سی جیب دکھاؤں جو تو میری بات سنے گا؟"

کہتے ساتھ اس نے شرٹ کا کنارہ ترچھا کیا، اور پہلی جیب میں اڑسا پستول ذرا سا جھلکا۔ دکاندار نے ہاتھ اٹھا کر سراثبات میں ہلایا۔

"گلابی والے قائداعظم چلیں گے۔ اندر آؤ اور بتاؤ کون سا چاہیے۔"

نوشیرواں استہزائیہ مسکرایا اور اس کے پیچھے اندر چلا گیا۔

جس وقت وہ گھر واپس آیا، ہاشم لاؤنج میں نیم دراز تھا، یوں کہ پاؤں میز پہ رکھے تھے، اور سونیا اس کے سینے پہ سر رکھے، ترچھی لیٹی، ہاتھ میں آئی پیڈ پکڑے گیم کھیل رہی تھی۔ وہ ایک ہاتھ سے سونیا کے نرم، سیاہ بال سہلاتا، دوسرے میں پکڑے مگ سے گھونٹ بھرتے ٹی وی دیکھ رہا تھا۔

"بابا! میرا گیم دیکھیں نا۔" وہ خفا خفا سی بولی۔ ہاشم نے ایک نظر اسکرین پہ ڈالی۔

"اتنی دیر سے تو ان لمبی ناکوں والے پرندوں کو دیکھ رہا ہوں، اب تو مجھے ان کی شکل بھی یاد ہو گئی ہے۔" مسکراہٹ دبا کر کہتا وہ پھر سے ٹی وی دیکھنے لگا۔

"آپ کو میرا کوئی گیم سمجھ میں نہیں آتا۔" وہ مسلسل اسکرین پہ انگلیاں چلاتی کہہ رہی تھی۔

"میں اس طرح کے گیم نہیں کھیلا کرتا، سونی اور جو میں کھیلتا ہوں وہ میں ہمیشہ جیتتا ہوں۔"

"شیرو میرے ساتھ سب گیم کھیلتا ہے۔"

"ہاں' شیرو اور تمہاری عمر میں زیادہ فرق ہے بھی نہیں۔" ہاشم نے ٹی وی کو ہی دیکھتے' جھک کر اس کے بال چومے۔

"کیا سونی کو پتا ہے' وہ ماما کے ساتھ چھٹیوں پہ نہیں جا رہی؟"

"ہوں!" وہ گیم میں مصروف تھی۔

"گڈ' میرے دو ایک کام ختم ہو جائیں' پھر بابا اور سونی چھٹیوں پہ جائیں گے' ٹھیک؟"

"اور شیرو بھی جائے گا؟ اور ماما بھی؟ اور ممی بھی؟"

"ماما کے علاوہ سب جائیں گے' ماما کے ساتھ سونیا سردیوں میں چلی جائے گی۔"

"اوکے۔" اس نے سر ہلا دیا۔ گیم مشکل ہوتا جا رہا تھا۔ تبھی ہاشم کی نگاہ اندر آتے شیرو پہ پڑی' جو نگاہ ملائے بغیر سیڑھیوں کی طرف بڑھ رہا تھا۔ ہاشم نے اسے پکارا۔

"ہو سکتا ہے کل سعدی آئے' میں چاہوں گا کہ تم میرے ساتھ ہو تب۔"

نوشیرواں پہلے زینے پہ رکا' مڑا نہیں۔ آہستہ سے کہا۔

"اوکے۔"

"کیسا ہے سرمد؟ اور اس کے بھائی کے کیس کا کیا بنا؟" بغور اسے دیکھتے ہوئے مگ سے گھونٹ بھرا۔ اسے بھی جواہرات کی طرح یقین تھا کہ شیرو دوست کے پاس نہیں گیا۔

"پتا نہیں' میں نے پوچھا نہیں۔" وہ نگاہ ملائے بغیر سیڑھیاں چڑھتا گیا۔ ہاشم نے بھی بحث نہیں کی۔

اندر آ کر اس نے دروازہ لاک کیا اور اسٹڈی ٹیبل تک آیا۔ جیب سے پیکٹ نکال کر میز پہ رکھا۔ اس میں عجیب سے ننھے ننھے ٹکڑے تھے۔ کرسی کھینچ کر بیٹھتے اس نے دراز سے خالی سگریٹ نکالا' اس میں پیکٹ میں رکھی منشیات مسل کر بھرنے لگا۔ یہ کرتے ہوئے اس کے ہاتھ میں ذرا سی لرزش تھی۔ پیشانی پہ پسینہ بھی تھا۔

لائٹر جلا کر سگریٹ کے کنارے کو سلگایا' اور دوسرا کنارہ لبوں سے لگایا۔ سانس اندر کھینچی۔ آنکھیں بند کیں۔ کڑوا مادہ اندر اترتا گیا۔

سانس باہر خارج کی تو دھوئیں کے مرغولے ہر طرف بکھر گئے۔ اس کا دماغ ہلکا ہوتا گیا۔ ہر شے سے ہلکا۔ ہوا سے بھی ہلکا۔

☆ ☆ ☆

ناشتے کے بعد تیاری کی افراتفری پورے گھر میں پھیلی تھی۔ سیم بھاگ بھاگ کر اسکول کے لیے تیار ہو رہا تھا۔ سعدی آفس اور زمر کورٹ کے لیے۔ واپسی پہ اس نے بڑے ابا کو لے کر اپنے گھر جانا تھا' سو وہ سب سے زیادہ سکون سے بیٹھے تھے۔ حنین ان کے قریب بیٹھی' اخبار میں سے کچھ سناتی' ساتھ ساتھ تبصرہ بھی کیے جا رہی تھی' جب زمر ادھر آئی۔ حنین کی بولتی زبان ذرا دھیمی ہوئی' الرٹ سی ہو کر بیٹھی۔ زمر بھی ساتھ آ ٹکی' حنین نے اسے نظر انداز کیا۔

"ماسٹرز کس سبجیکٹ میں کرنے کا ارادہ ہے' حنین؟" جھک کر جوتے کے اسٹریپ بند کرتی' وہ ساتھ بیٹھی نرمی سے پوچھنے لگی۔ حنین کے تنے تاثرات قدرے نرم ہوئے۔

"لٹریچر میں یا عربی میں۔ ابھی فیصلہ نہیں کیا۔" پھر رکی' اور اضافہ کیا۔ "بیچلرز میں بھی لٹریچر رکھا تھا نا۔"

"یہ تو اچھی بات ہے۔ تم اتنی ذہین ہو' کچھ بھی کر لو گی۔" وہ اب جھکی ہوئی دوسرا جوتا بند کر رہی تھی۔ حنین ذرا سا مسکرائی' ساتھ ہی وہ اخبار کے کونے کو عادتاً ناخن کے اندر رگڑ رہی تھی۔

"مگر مجھے یاد ہے تم نے ایف ایس سی میں بورڈ میں پوزیشن لی تھی اور انٹری ٹیسٹ میں بھی بہت اچھے نمبر تھے' ٹاپ میرٹ بنتا تھا تمہارا' پھر انجینئرنگ میں کیوں نہیں لیا ایڈمیشن؟"

حنین کی مسکراہٹ مدھم ہو گئی۔ اس نے سر اٹھا کر زمر کو دیکھا۔ وہ اسٹریپ بند کر کے اٹھ رہی تھی۔

لوگوں کو پتا بھی نہیں چلتا اور وہ گردن دبا جاتے ہیں۔

"اچانک سے دل پلٹ گیا تو بی اے میں داخلہ لے لیا۔ دل تو کبھی بھی پلٹ جاتا ہے نا پھپھو!"

اس کا اخبار کا کنارہ رگڑتا ناخن مزید تیز ہو گیا۔ سر جھکا کر وہ بڑے ابا کو کوئی دوسری خبر سنانے لگی' البتہ اب کے انداز سست تھا۔

زمر نے جاتے جاتے مڑ کر اسے دیکھا۔ یہ آخری فقرہ کہتے اس کی آواز میں نہ طنز تھا' نہ تلخی۔ بس عجیب سی اداسی تھی۔

وہ راہداری سے گزر کر سعدی کے کمرے کے دروازے تک آئی تو وہ آئینے کے سامنے کھڑا نظر آرہا تھا۔ کالر اکڑے ہوئے اوپر کھڑے تھے اور وہ ٹائی کی گرہ لگا رہا تھا۔ زمر ذرا سا مسکرائی۔ دروازہ ہولے سے بجایا۔

"تو تمہارا کوئی آفس بھی ہے؟"

گرہ کھینچ کر اوپر لے جاتے وہ خفگی سے پلٹا اور کالر درست کیے۔

"دو سال میں پہلی دفعہ چھٹی لی' وہ بھی صرف دو ہفتے کی اور باس سے چپڑاسی تک ہر بندہ گزرتے گزرتے طعنے دے جاتا ہے' آپ تو ایسے مت کریں۔"

"اوہ اور اتنی لمبی چھٹی کیوں لی؟"

سعدی چپ ہو گیا۔ (جج پہ آخری دنوں میں پریشر ڈالنا تھا' ماموں کو نکلوانا تھا' ہاشم بھائی کا لیپ ٹاپ ہیک کرنا تھا' جس کا موقع آپ کے توسط سے مل ہی گیا اور اب ان فائلز کو کھولنا ہے مگر چھٹی ختم) یہ سب صرف سوچا۔ جب بولا تو محض اتنا۔

"کچھ ریسرچ ورک کر رہا تھا' اسی کو مکمل کرنا تھا۔"

"چلو پھر ویک اینڈ پہ کچھ ملنے کا پلان کرتے ہیں۔"

"جی' آپ تو شادی میں نہیں آئیں گی نا؟" اس نے سرسری سا ذکر چھیڑا۔ وہ جو مڑنے لگی تھی' چونک گئی۔

"کس کی شادی؟"

"اب پورا رشتہ معلوم نہیں مگر' جس لڑکے کی شادی ہے وہ ہمارا بھی رشتہ دار ہے اور اس حماد کا بھی۔ حماد اور کرن اس لیے تو آئے ہوئے ہیں آسٹریلیا سے۔ وہ بھی ہوں گے شادی پہ اور کرن' کاردار خاندان کو بالخصوص بلوائے گی۔ وہ سب بھی ہوں گے۔ سو ادھر آپ حماد کا سامنا نہیں کر سکیں گی' مجھے پتا ہے۔ اس لیے آپ کا کارڈ ادھر آیا تو میں نے امی سے کہا کہ پھپھو کو نہ بھیجیں' وہ نہیں آئیں گی۔"

زمر کے لب بھنچے اور آنکھوں کی پتلیاں سکڑیں۔ سینے پہ بازو لپیٹ کر اسے تندی سے دیکھا۔ "اور تمہیں کیوں لگا کہ میں اس کا سامنا نہیں کر سکتی؟"

"آپ نہیں کر سکتیں تب ہی تو خاندان میں کسی تقریب پہ نہیں جاتیں۔ خیر' آپ نے نہیں جانا تو کوئی بات نہیں' میں سمجھ سکتا ہوں۔" بہت سمجھ داری سے اس نے کہا۔

"میں اس لیے نہیں جاتی کیوں کہ وقت نہیں ملتا اور....."

"ویک اینڈ پہ وقت ہو گا پھر؟" وہ تیزی سے بولا۔

زمر نے بے دھیانی سے "ہاں" کہا تو اس نے اسی تیزی سے پوچھا۔ "مطلب آپ چلیں گی؟"

"میں.... دیکھوں گی۔" وہ رک کر بولی۔ پھر گھڑی دیکھی۔ اسے اب چلنا تھا۔ وہ نکلی تو سعدی مکمل تیار ہو کر' نکھرا نکھرا سا باہر نکلا۔ لاؤنج میں بس بڑے ابا تھے' حنین سونے چلی گئی تھی۔ انہوں نے اسے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

"وہ تقریب پہ جانے کے لیے مان گئی؟"

"بالکل!" مسکرا کر کہتے اس نے چائے کا کپ اٹھایا اور سامنے بیٹھا۔ بڑے ابا نے تعجب سے اسے دیکھا۔

"تم نے کیسے راضی کیا اسے؟ میں کہتا تو کبھی نہ مانتی۔"

"اب آپ کے پاس سعدی یوسف جیسا دماغ تھوڑی ہے۔" گھونٹ بھرتے وہ مسکرایا' پھر کچن کی طرف رخ کر کے آواز لگائی۔

"امی! آپ ناشتہ لاہور سے لا رہی ہیں یا کچن سے؟"

"کچن سے میں نے جوتا پھینکنا ہے تمہارے قد کا

لحاظ کیے بغیر۔" وہ ٹرے اٹھائے مصنوعی خفگی سے بولتی آرہی تھیں۔ سعدی نے افسوس سے دادا کو دیکھا۔

"کوئی مانے گا کہ یہ خاتون میرے پیچھے میرے بہن بھائی کو میری مثالیں دیتی ہیں؟"

"مجھے پتا ہے اچھے سے 'جلدی جلدی کا شور اس لیے مچاتے ہو تاکہ ناشتہ آدھا کرنا پڑے۔ اب اگر تم نے یہ ختم نہ کیا نا سعدی تو مجھے امی نہ کہنا۔" وہ سامنے بیٹھتے ہوئے اس کی شکایت دادا سے لگا رہی تھیں۔ وہ مسکراتے ہوئے بس سن رہے تھے۔

سعدی نے حسب عادت تھوڑا سا کھایا، پھر ہاتھ صاف کرتا اٹھا اور بہت متانت سے ماں کو مخاطب کیا۔

"اچھا ندرت بہن! اللہ حافظ۔" اور اس سے پہلے کہ وہ واقعی اس کے قد کا لحاظ کیے بغیر ایک ہاتھ جڑ دیتیں، وہ باہر نکل چکا تھا۔

☼ ☼ ☼

تو نے کیا کیا نہ اے زندگی دشت و در میں پھرایا مجھے
اب تو اپنے در و بام بھی جانتے ہیں پرایا مجھے

سارہ آفس کے لیے تیار، کار کا دروازہ کھول رہی تھی جب گیٹ کی گھنٹی بجی۔ اس نے مڑ کر دیکھا۔ گیٹ اونچا تھا۔ یہاں سے معلوم نہیں ہوتا تھا کہ باہر کون ہے۔ وہ چابی دروازے میں چھوڑ کر، بیگ کار کی چھت پہ رکھ کر گیٹ تک آئی، اور اسے کھولا۔ آدھا دروازہ کھلتے ہی ہاتھ ٹھٹک کر رکے۔

باہر فارس کھڑا تھا۔ ٹی شرٹ، جینز، چھوٹے کٹے بال، سنجیدہ گہری نظریں اور سپاٹ چہرہ۔ سارہ نے باقی کا دروازہ سست روی سے کھولا۔

"فارس؟" کوئی نادیدہ لٹ کان کے پیچھے اڑستی وہ ایک طرف ہٹی۔ چہرے پہ تذبذب سا در آیا تھا۔

"آپ ٹھیک ہیں؟" سرسری سا سوال کیا، البتہ اس کو دیکھ گہری نظر سے رہا تھا۔ وہ "ہوں" میں سر ذرا سا ہلا کر مزید ایک جانب ہوئی۔

"میرا اتنی صبح آنا اچھا نہیں لگا، یا آنا ہی؟" اس کے ہیجان کے باعث وہ ذرا سرد سا بولا۔ سارہ کے چہرے پہ شرمندگی ابھری۔

"ایسا نہیں ہے، آؤ۔"

"بچیوں سے ملنے آیا تھا میں۔" وہ وہیں کھڑا رہا۔ سارہ بھی ادھر ہی کھڑی رہی، مگر اس سے نگاہ نہیں ملائی۔

"وہ اسکول کے لیے تیار ہو رہی ہیں۔ بس ہم نکلنے ہی والے تھے۔" ساتھ ہی اس نے گھڑی دیکھی جیسے جلدی میں ہو۔

"یعنی کسی اور وقت آؤں؟" اس کے چہرے کے بدلتے رنگ بغور دیکھتے وہ خشک انداز میں کہہ رہا تھا۔ سارہ نے اضطراب سے چہرہ اٹھا کر اسے دیکھا۔

"تم آسکتے ہو فارس۔"

"مگر۔۔۔ زیادہ نہیں، ہوں؟" وہ اس کے تاثرات پڑھ رہا تھا۔ "تو آپ کے خیال میں وارث کو میں نے قتل کیا تھا؟"

"ایسا نہیں ہے۔ مجھے یقین ہے تمہیں پھنسایا گیا تھا، یقیناً" "تمہارے دشمن بہت ہوں گے اور۔۔۔"

"اور میرا ادھر آنا آپ کے خاندان کے لیے خطرے کا باعث بن سکتا ہے۔ میں سمجھ گیا۔ آئندہ دور رہوں گا۔" سر ہلا کر وہ یوں کہہ رہا تھا جیسے واقعی سمجھ گیا ہو۔ سارہ نے دکھ سے اسے دیکھا۔

"فارس، آئی ایم سوری، مگر میں پہلے ہی بہت مشکل زندگی گزار رہی ہوں۔ میرے پاس میری بیٹیوں کے علاوہ کوئی نہیں ہے۔ ان کو کسی بھی خطرے میں نہیں ڈال سکتی۔ تم پلیز مجھے غلط مت لینا۔"

"کہا نا، سمجھ گیا۔ اب مل لوں یا جاؤں؟"

"نہیں، آؤ پلیز۔" وہ اب کے واقعی پیچھے ہٹی اور اندر کی طرف بڑھی۔ وہ چند لمحے ضبط سے اسے آگے جاتے دیکھتا رہا، پھر سر جھٹک کر پیچھے ہو لیا۔

☼ ☼ ☼

ہر حقیقت فریب لگتی ہے
جب کوئی اعتبار کھو بیٹھے

اسٹڈی روم میں خاموشی پھیلی تھی۔ نوشیرواں بھی

اسی خاموشی کا حصہ بنا' لبوں پہ مٹھی رکھے' میز کے اس طرف بیٹھے ہاشم کو دیکھ رہا تھا' جو بہت انہماک سے فائل کے صفحے کو پڑھ رہا تھا۔ اسے آج آفس دیر سے جانا تھا۔ اس لیے وہ رات والے لباس میں تھا۔

"تیسری دفعہ پوچھ رہا ہوں' سعدی کب آئے گا؟" وہ اب بے زار ہونے لگا تو مقدس خاموشی کو توڑا۔

"ہوں!" ہاشم نے صفحہ پلٹا' پھر نگاہ اٹھا کر اسے دیکھا۔

"کیا اس کے انتظار میں تم تمام رات نہیں سوئے؟" اس نے شیرو کی ہلکی گلابی آنکھوں کو دیکھ کر کہا تھا۔ شیرو کا اوپر کا سانس اوپر اور نیچے کا نیچے رہ گیا۔ رنگت ذرا پھیکی ہوئی۔

"سویا تھا' مگر بہت دیر سے۔" اس نے گڑبڑا کر کہا۔ پھر بغور ہاشم کے تاثرات دیکھے۔ وہ پھر سے فائل میں مصروف ہو گیا تھا۔ لاکھ شاطر سہی' اتنی جلدی ہاشم کو شک نہیں ہو سکتا تھا کہ وہ پھر سے ڈرگز پہ آ گیا ہے۔

موبائل بجا' ہاشم نے انگلی سے بٹن دبایا اور ہولو کہتے ہوئے فائل کا دوسرا صفحہ پلٹا۔ اس کے پاس اتنی فرصت بھی نہ تھی کہ موبائل کان سے لگاتا۔ اس کی سیکرٹری کی آواز گونجی۔

"سر! میں نے سعدی یوسف کو کال کی تھی۔" وہ رک گئی۔ ہاشم نے پین سے اس صفحے میں کچھ انڈر لائن کیا۔

"حلیمہ! میں اگلے کتنے منٹ تمہارے بولنے کا انتظار کروں گا؟"

"سوری سر' انہوں نے کہا کہ وہ مصروف ہیں' ان کو اپنا شیڈول دیکھنا پڑے گا۔ آج تو ناممکن ہے' اگلے ہفتے میں ان کو دوبارہ کال کر کے پوچھوں' اگر....." وہ رکی' مگر پھر جلدی سے بولی۔ "اگر ہاشم بھائی کو مجھ سے ملنے کا اتنا ہی شوق ہے تو۔"

"اوکے۔" ہاشم نے بٹن آف کیا اور صفحے پہ دو الفاظ کے گرد دائرہ لگایا۔ وکالت سارا الفاظ کا کھیل ہی تھا۔

شیرو کے ماتھے پہ بل پڑ گئے تھے۔

"ایٹی ٹیوڈ دیکھا آپ نے اس کا؟ بدتمیز انسان..... خود کو سمجھتا کیا ہے؟"

ہاشم نے تھکاوٹ سے سر نفی میں ہلا کر شیرو کو دیکھا۔ "تم کب بین السطور باتیں پڑھنا سیکھو گے نوشیرواں؟"

وہ جو بپھرا ہوا' آگے ہو کر بیٹھا' کچھ اور بھی کہنا چاہتا تھا' حیرت سے رکا۔

"اس کی اس بات کا اور کیا مطلب۔"

"کیا تم سعدی کو نہیں جانتے؟ وہ بدتمیزی نہیں کر رہا' وہ مجھ سے ملاقات کو ٹال رہا ہے۔"

"مگر.....وہ کیوں ٹالے گا؟"

"جب اس کو کوئی مدفن ثبوت ملے گا تو وہ سب سے پہلے میرے پاس آئے گا' صاف بات ہے' اس سے میری فائلز نہیں کھلیں۔ بغیر ثبوت کے' وہ میرا سامنا نہیں کرنا چاہے گا اور فائلز کو کھولنے کے لیے اسے وقت چاہیے۔"

"اور اگر اس نے فائلز کھول لیں؟"

"نہیں کھلیں گی۔" ہاشم نے اطمینان سے کہتے ہوئے وہ فائل اسٹینڈ پہ رکھے بلندے پہ ڈالی اور لیپ ٹاپ اپنے قریب کیا۔

"سعدی کبھی بھی کمپیوٹر کے ساتھ اچھا نہیں تھا۔ میرے کمپیوٹر کی ہارڈ ڈرائیو کو وہ اپنی کسی ڈیوائس سے (Remotely access) ریموٹلی ایکسس تو کر سکتا ہے' مگر فائلز پہ لگے تالے کھولنے کے لیے وہ ایسے پروگرامز استعمال کرے گا جو تالا توڑ نہیں سکتے' مگر اس میں باری باری ہزاروں چابیاں لگا کر دیکھتے ہیں کہ شاید کوئی چابی لگ جائے اور جب آدھے سفر میں بھی تالا نہیں کھلتا تو فرسٹریشن کا شکار شخص زور زور سے چابی گھماتا ہے اور اس کے بعد پتا ہے کیا ہوتا ہے شیرو؟"

وہ ہلکا سا مسکرایا۔ "غلط چابی' تالے میں ٹوٹ جاتی ہے اور ٹوٹی چابی والا لاک پھر صحیح چابی سے کھلنے کے قابل بھی نہیں رہتا اور اگر تمہاری گلستان سعدی ختم ہو چکی ہے تو میں کام کر لوں؟"

شیرو ماتھے پہ بل لیے اٹھا' میز پہ دھرا اپنا موبائل بھی اٹھایا۔ ادھر اس نے اپنے موبائل کو دیکھا ادھر ہاشم نے

اس کی نگاہوں کو۔

پھر ہاشم نے سنجیدگی سے ہاتھ بڑھایا۔ "فون دو۔"

شیرو نے ناسمجھی سے فون اسے پکڑایا۔ ہاشم نے اسکرین کو چند دفعہ دبایا۔ "یہ سعدی کا نمبر ہے۔" اسکرین شیرو کو دکھائی اور فون پھر اپنے سامنے کرلیا "اور یہ ہو گیا سعدی کا نمبر ڈیلیٹ۔" دوبارہ اسکرین لہرائی۔ نوشیرواں کا منہ کھل گیا۔

"بھائی..... مگر۔"

"تم میری اسٹڈی سے نکل کر اسے کال کرنے اور اس پہ غصہ کرنے کا سوچ رہے تھے نا' بالکل بھی انکار مت کرنا اور مجھے معلوم ہے تم اس کا نمبر کہیں سے دوبارہ بھی لے سکتے ہو' مگر میں تمہیں یہ بتانے کی کوشش کر رہا ہوں کہ اگر تم نے سعدی کو چھیڑ کر میرے لیے کوئی مصیبت کھڑی کی تو میں تمہارے ساتھ کتنی سختی سے پیش آسکتا ہوں۔" اس کا فون اپنی رراز میں ڈالتے ہوئے وہ قطعیت سے کہہ رہا تھا۔ شیرو نے خفگی سے اسے دیکھا پھر او کے کہہ کر مڑ گیا۔

"اور ناشتے کے لیے جاتے ہوئے فیونا سے کہہ دینا کہ آج کے سارے کھانے تمہیں تمہارے کمرے میں پہنچائے کیونکہ آج کے دن تم گھر سے باہر نہیں نکلو گے۔" وہ کوئی دوسری کتاب کھولتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ شیرو ہکا بکا سا پلٹا۔

"میں پچیس سال کا ہوں بھائی!" اس نے احتجاجاً" دبا دبا سا کہا۔

"اور میں سینتیس کا۔ کیا مجھے دوبارہ دہرانے کی ضرورت ہے کہ تم آج کے لیے (grounded) گراؤنڈڈ ہو؟" ابرو اٹھا کر ایک سخت نگاہ اس پہ ڈالتے ہاشم نے پوچھا۔ شیرو کے اعصاب ڈھیلے پڑ گئے۔

"سوری بھائی' میں اسے اپروچ نہیں کروں گا۔"

"اور میں اس بات پہ کل صبح یقین کروں گا۔ فیونا سے کہو' میرا ناشتہ یہیں پہنچا دے' میں آفس دیر سے جاؤں گا۔"

شیرو نے منہ بنا کر دروازہ کھولا اور باہر نکل گیا۔ اس کے نکلتے ہی ہاشم نے بند دروازے کو دیکھا اور ہلکا سا مسکرا کر سر جھٹکا۔

"یہ کب بڑا ہو گا؟"

واپس کتاب کی طرف متوجہ ہوتے ہوئے وہ لمحے بھر کو رکا' چہرہ اٹھا کر ادھر ادھر دیکھا۔ اسٹڈی کے ریکس' کتابیں' لیمپس۔ ایک عجیب سے ناسٹلجیا نے ہاشم کو اپنی گرفت لے لیا۔ کتاب پرے کرکے اس نے پیچھے ٹیک لگائی اور قلم ہاتھوں میں گھماتے' ان درو دیوار کو دیکھنے لگا۔ اس کی آنکھوں میں گہری سوچ تھی۔

پھر اس نے اپنا موبائل نکالا اور جیسے ریت میں دبا کوئی گم گشتہ صندوق ڈھونڈ رہا ہو' سعدی کا نمبر تلاش کیا۔ فون کان سے لگا کر وہ گھنٹی جاتے سنتا رہا۔

"جی ہاشم بھائی۔" وہ آج بھی اس کی کال ریجیکٹ نہیں کر سکتا تھا۔ ہاشم کے لبوں پہ مسکراہٹ در آئی۔

"تم نے آنے سے انکار کیوں کر دیا؟" وہ دوستانہ انداز میں پوچھ رہا تھا۔

وہ چند لمحے خاموش رہا۔ "آج آفس دوبارہ اسٹارٹ کیا ہے' تو ابھی نکلنا مشکل ہو گا۔"

"تم چاہو تو میں تمہارے آفس آجاتا ہوں۔" وہ نرمی سے بولا۔

"آپ مجھ سے کیوں ملنا چاہتے ہیں ہاشم بھائی؟"

"کیونکہ مجھے لگتا ہے تم بدل گئے ہو۔"

"وقت بدل گیا ہے۔" وہ محتاط سا بول رہا تھا۔ ہاشم نے دو انگلیوں سے آنکھیں مسلیں' ناک کی ہڈی کو چٹکی میں لیا۔ پھر گہری سانس لی۔

"وقت بھی وہی ہے' میں بھی وہی ہوں اور تم بھی ..... شاید ہمارے درمیان کوئی غلط فہمی آگئی ہے۔ میں وہ دور کرنا چاہتا ہوں۔"

"مجھے کوئی غلط فہمی نہیں ہے۔" اسے تو یقین تھا۔ ہاشم خاموش ہو گیا۔ چند لمحے اسٹڈی کی خاموشی ان دونوں کو بولنے پہ مجبور کرتی رہی' مگر دونوں چپ رہے۔

"سعدی! کیا ہم واپس جا سکتے ہیں؟ اچھے وقتوں میں واپس' جب ہمارے درمیان یہ ذومعنی باتیں نہیں ہوا کرتی تھیں۔ تم رات کے ایک بجے بھی میری ایک

کال پہ چلے آتے تھے۔ جب تم مجھے ہاشم بھائی کہا کرتے تھے' تو دل سے کہتے تھے۔ کیا کوئی راستہ بچا ہے 'سعدی؟'"

"شاید نہیں۔"

ہاشم نے موبائل بند کر کے میز پہ ڈال دیا۔ اسٹڈی کے در و دیوار پھر سے بولنے لگے' اس کی سماعتوں میں اچھے وقتوں کی بازگشت سنائی دینے لگی۔ بمشکل ان سب کو ذہن سے جھٹکتا' ہاشم سیدھا ہوا اور کتاب پھر سے کھول لی۔

دوسری طرف' اپنے آفس میں' لیپ ٹاپ کے سامنے' سوچ میں گم بیٹھا سعدی ابھی تک موبائل کو تک رہا تھا' پھر وہ بھی ہر چیز کو ذہن سے جھٹکتا' سیدھا ہوا اور لیپ ٹاپ قریب کیا۔ گردن ذرا اونچی کر کے آگے پیچھے کا جائزہ بھی لے لیا اور پھر اپنا پروگرام دیکھا جو ابھی تک چل رہا تھا۔ ناکامی در ناکامی۔ اسے شدید فرسٹریشن ہوئی۔ مضطرب سے انداز میں چند ایک کیز دبائیں' پروگرام سے ایک ساتھ دو' تین کام کروانے کی کوشش کی اور.... اور.... اسکرین پہ جلتا بجھتا نشان جگمگانے لگا۔ اس نے دوبارہ چھیڑ چھاڑ کی اور.... پروگرام کرپٹ ہو گیا۔

ساری محنت ضائع چلی گئی۔ چابی' لاک میں ٹوٹ گئی تھی۔ سب برباد ہو گیا۔

فائلز ڈیمج ہو چکی تھیں اور اب کوئی بھی چیز ان کو ری کور نہیں کر سکتی تھی۔

اس نے سر دونوں ہاتھوں میں تھام لیا۔ وہ واقعی کمپیوٹرز کے ساتھ اچھا نہ تھا اور وہ بغیر ثبوت کے کسی سے مدد بھی نہیں مانگ سکتا تھا۔

اب وہ کیا کرے؟ اس نے سر اٹھا کر اپنے آفس کو اجنبی نظروں سے پھیکی پڑتی رنگت کے ساتھ دیکھا۔ دوبارہ سے ہاشم کا کمپیوٹر.... ؟ ناممکن اب تو ہاشم اس کو اپنے قریب بھی نہ پھٹکنے دے۔

"اور ایک وقت تھا جب...." جب اس نے یاد کرنے کی کوشش کی۔ اچھے وقتوں کی ساری کہانیاں فضا میں آج بھی ان مٹ روشنائی سے لکھی تھیں۔

☆ ☆ ☆

سات سال پہلے

عشرت رفتہ کو آواز دیا کرتی ہیں
ہر نئے لمحے کی دہلیز پہ جا کر یا دیں

کانٹریکٹ لاء کی کلاس میں مخصوص خاموشی تھی۔ باہر اترتی شام کی سرسراہٹوں میں اندر کاغذ پہ قلم گھسٹنے کی آواز مدغم ہو رہی تھی۔ تمام طلبا غور سے سنتے یا سننے کی اداکاری کرتے' لیکچرر کی جانب متوجہ تھے' جو لیکچر کا اختتام کرتے ہوئے حسب عادت کہہ رہی تھی۔

"میرا خیال ہے میری اتنی لمبی تقریر آپ میں سے بہت سوں کی سمجھ میں آگئی ہو گی اور اگر میرا خیال درست ہے تو چند ایک کی سمجھ میں نہیں بھی آئی ہو گی' اس لیے وہ چند ایک ابھی یا امتحانات سے قبل میرے پاس فارغ وقت میں آکر اپنی کنفیوژن کلیئر کر لیں اور اگر آپ نے ایسا نہ کیا تو اپنے رزلٹ کی خرابی کی تمام تر ذمہ داری صرف آپ کے کندھوں پہ ہو گی' رائٹ؟"

نرمی سے مسکرا کر کہتی زمر یوسف کی آنکھیں پوری کلاس پہ مرکوز تھیں۔ اور اس نرمی میں بھی رعب پنہاں تھا۔ آدھے کیچر میں بندھے گھنگھریالے بال شفاف جلد' ناک میں سونے کی بالی کی طرح نتھ اور بالی' ابھی آنکھوں کے گرد ایک دو جھریاں بھی نہیں پڑی تھیں۔

چند ایک طلبہ و طالبات نے ہاتھ بلند کیے' کنفیوژن کلیئر کی' وہ تحمل سے جواب دیتی رہی اور ایسا کرتے ہوئے اس کی نگاہ ہال کے ایک ایک چہرے سے گزرتی اس اجنبی شناسا کے چہرے پہ ٹھہر سی گئی۔ لبوں پہ مبہم سی مسکراہٹ والا وہ شخص اس ایوننگ کلاس میں چار روز سے آرہا تھا اور ہر دفعہ اسے دیکھ کر لاشعور میں کوئی احساس جاگزیں ہوتا' جیسے وہ اسے کہیں دیکھ چکی ہے' مگر وہ شعور اس چہرے کو کسی نام کے ساتھ فٹ نہیں کر پا رہا تھا' سو وہ نظر انداز کر کے کلاس برخاست کرنے لگی۔ اسٹوڈنٹس یکے بعد دیگرے اٹھ اٹھ کر جانے لگے۔ زمر نے میز سے اپنی چیزیں

سمیٹیں۔ ان کو ترتیب سے بیگ کے مختلف خانوں میں رکھا۔ نفاست سے فائل اور کتابیں جوڑیں۔ بیگ کندھے سے لٹکایا اور سر اٹھایا تو وہ شخص سامنے کھڑا تھا۔

"کہیے میں آپ کی کیا مدد کر سکتی ہوں؟" وہ سر جھکا کر بیگ کی زپ بند کرتے ہوئے بولی۔ میز کی چمکتی' سطح میں اس کا عکس دکھائی دے رہا تھا۔ لمبا' چوڑا کافی اسمارٹ' اٹھائیس انتیس سال کے لگ بھگ' ہلکی آنکھوں اور چھوٹے کٹے بالوں والا وہ شخص....

"میں کردوں آپ کی مدد؟" اس نے نرمی سے کہا' مگر لاپروائی کا عنصر غالب تھا۔ زمر نے بے اختیار سر اٹھا کر دیکھا۔

"سوری؟"

"میں مائیگریٹ ہو کر ادھر آیا ہوں۔" انگلی سے کان کی لو مسلتا وہ ادھر ادھر دیکھتا کہہ رہا تھا۔ اس کا انداز غصہ نہیں دلاتا تھا' ورنہ کوئی ایسے بات کرتا تو شاید اس کے سر پہ لگ جاتی۔

"تو؟"

"تو چار دن سے آپ مجھے دیکھ کر ذرا...." (ہاتھ سے اشارہ کیا) ذرا کنفیوزڈ ہیں' یو نو dejavii فیلنگ"

زمر نے بمشکل تعجب چھپایا۔ "آئی ایم سوری' مجھے یاد نہیں اگر ہم پہلے مل چکے ہیں۔ ابھی تک میرے رجسٹر میں آپ کا نام بھی نہیں پہنچا۔"

"شاید کئی سال پہلے' اب تو یاد بھی نہیں...." پھر ذرا سے شانے اچکائے۔ زمر بھنویں سکوڑے اس کو دیکھتی رہی' تو وہ ذرا سا مسکرایا۔

"میں فارس غازی ہوں' سعدی کا ماموں!"

زمر کے بھنچے ابرو ڈھیلے پڑے' لب "اوہ" میں سکڑے' چہرے پہ پہلے حیرت اور پھر شرمندگی ابھری۔

"اوہ.... آئی ایم سوری.... میں نے واقعی نہیں پہچانا۔ میں شاید آپ سے ملی بھی نہیں کبھی' مگر آپ کو کیسے پتا میں سعدی کی....؟"

"سمپل!" اس نے کندھے جھٹکے۔ "سعدی نے بتایا تھا کہ آپ شام میں ادھر پڑھاتی ہیں اور صبح سعود رانا کے چیمبر میں ہوتی ہیں۔"

"اوہ.... مگر اس نے مجھے نہیں بتایا' میرا مطلب ہے' آپ سعدی کے وہی ماموں ہیں ناجو...." وہ گڑبڑا کر رکی۔

"جی' وہی جو سوتیلا ہے۔" وہ پھر ذرا سا مسکرایا۔ زمر کے رخسار گلابی ہوئے۔

"نہیں' میرا مطلب تھا' وہ جو آئی بی (انٹیلی جنس) میں ہوتے ہیں اور کہیں سندھ وغیرہ میں پوسٹڈ تھے۔ کیونکہ سعدی کے نیب والے ماموں سے تو اکثر ملاقات ہو جاتی ہے۔"

"جی' میں کئی سال سے ادھر تھا' اسی ہفتے آیا ہوں۔"

کلاس قریباً" خالی ہو چکی تھی۔ وہ دونوں ساتھ ساتھ باہر نکلے۔ راہداری میں ایک ستون کے ساتھ کھڑے ہو کر زمر نے اس کی طرف رخ کرتے پوچھا۔

"تو آپ میری کلاس میں کیسے؟ ڈونٹ ٹیل می ہماری کلاس میں آپ کسی کی جاسوسی واسوسی کرنے آئے ہیں۔"

اس بات پہ فارس ہنس پڑا۔ پھر نفی میں سر ہلایا۔

"میں جاسوس نہیں ہوں' جاسوسوں کا ڈیپارٹمنٹ الگ ہوتا ہے۔ میں یوں ہوں جیسے پولیس آفیسرز ہوتے ہیں' ہم مختلف کیسز پہ کام کرتے ہیں۔ ہاں ادھر پڑھنے آیا ہوں میں۔" وہ گردن ذرا جھکا کر' عادتاً" ناخن سے کان رگڑتا کہہ رہا تھا۔ ساتھ میں شاید وہ چیونگم بھی چبا رہا تھا۔

"تو کیا نوکری چھوڑ دی؟"

"نوکری کے لیے تو پڑھ رہا ہوں۔ پہلے زیادہ پڑھ وڑھ نہیں سکا تھا۔ چھوٹی پوسٹ پہ بھرتی ہوا تھا' اب ترقی تو ملتی رہی ہے' مگر لاء کی ڈگری ہمارے لیے بہت اچھی ہوتی ہے' ترقی کے چانسز بڑھتے ہیں۔" پھر رک کر زمر کا چہرہ جیسے جانچا۔ "کیا آپ کے والد نے نہیں بتایا کہ کس طرح وہ نوکری اور نوکری سے پہلے میری مدد کرتے رہے تھے؟"

"آ..... نہیں بالکل نہیں' میرے اردگرد کے لوگوں کو خاموش تحفوں کی عادت ہے شاید۔" زمر نے مسکرا کر گہری سانس لی۔

"بُرے وقتوں میں انہوں نے قرض دیا مجھے' احسان تھا ان کا۔"

"ان فیکٹ' مجھے یاد آرہا ہے' سعدی کے سوتیلے سوری چھوٹے ماموں' آپ کی امی تو کافی ویل آف سی تھیں' مجھے باقی آپ کا فیملی ٹری بالکل یاد نہیں یہ بھی ندرت بھابھی نے شاید کبھی ذکر کیا تھا۔"

"جی' اور نگ زیب کاردار..... میرے ماموں وہ ویل آف ہیں' میری امی نہیں۔ کچھ نہیں چھوڑا میرے لیے' سوائے نصیحتوں کے۔" پھر سے بے نیازی سے شانے اچکا کر ہنسا۔ زمر بھی ساتھ ہی ہنس دی۔ پھر اس نے کلائی پہ بندھی گھڑی دیکھی۔

"اوکے فارس' اچھا لگا آپ سے مل کر۔ آپ کو پڑھائی یا یونیورسٹی میں کسی بھی قسم کی مدد چاہیے ہو تو آپ مجھے ہمیشہ اپروچ کرسکتے ہیں۔ اب تو ملاقات ہوتی رہے گی۔" وہ اب رخصت چاہ رہی تھی۔ مگر اس سے پہلے کہ وہ پلٹتی فارس نے عجلت میں پکارا۔

"کیا آپ ہاشم کی شادی میں آئیں گی؟" زمر جاتے جاتے واپس ہوئی' ناسمجھی سے ابرو اٹھائے۔ "سوری' کون ہاشم؟"

"اوہ کیا ندرت آپا نے نہیں بتایا؟ میرا کزن ہاشم اس کی اگلے ہفتے شادی ہے' انہوں نے سعدی لوگوں کی پوری فیملی کو بلایا ہے' آپ سمیت۔"

زمر نے چند لمحے سوچا' پھر کندھے اچکا دیے۔

"میں بالکل بھی نہیں جانتی آپ کے کزن کو' لیکن اگر وہ بلائیں گے تو دیکھیں گے۔"

فارس نے سرہلا کر گویا جانے کی اجازت دے دی۔ وہ ایک الوداعی مسکراہٹ کے ساتھ مڑ گئی۔

فارس وہاں کھڑا تب تک اسے دیکھتا رہا' جب تک وہ راہداری کے دوسرے سرے پہ گم نہ ہوگئی۔ پھر ایک دم چونکا اور خفیف سا ہو کر سر جھٹکا۔

"وہ خوب صورت تو نہیں تھی پھر بھی اچھی کیوں لگ رہی تھی؟ سعدی کی پھوپھو تھی' اس لیے شاید۔" وہ خود کو مطمئن کر کے غیر مطمئن کرتا' وہاں سے پلٹ گیا۔

☆ ☆ ☆

ع خدا ہے محبت محبت خدا ہے

مرحوم ذوالفقار یوسف کے گھر میں باتوں کا شور' ٹی وی کی آواز اور رات کے کھانے کی مہک ہر سو پھیلی تھی لاؤنج کے تھری سیٹر صوفے کے ایک کنارے پہ بیٹھی زمر' دوسرے سرے پہ موجود ندرت سے کہہ رہی تھی۔

"آپ مجھے بتا ہی دیتیں کہ آپ کا بھائی آرہا ہے' میں مائیگریشن اور دوسرے کاغذی معاملات میں اس کی مدد ہی کردیتی۔ بہت مشکل ہوئی ہوگی اسے تو۔"

"بس اس کی اچانک پوسٹنگ ہوئی' ادھر آیا اور گھر کھولا' وہیں اپنے اورنگ زیب ماموں کی انیکسی میں رہتا ہے' وہ اس کی ماں کے حصے میں تھی نا۔"

"آپ ذکر ہی کردیتیں اور تم تو ادھر آؤ ذرا' میرا سارا بائیو ڈیٹا اپنے ماموں کو دے دیا اور مجھے آگاہ بھی نہیں کیا۔ کتنی شرمندگی ہوتی مجھے اگر میں اس کو ڈانٹ دیتی۔" کمرے سے نکلتے سعدی کو خفگی سے پکارا۔ وہ سیب کھا رہا تھا' کھاتے کھاتے کندھے ذرا سے اچکائے اور مسکراتا ہوا سامنے کشن پر آبیٹھا۔

"سوری' میں بھول گیا۔"

"اور ہاں' اس نے کسی کزن کی شادی کا بھی ذکر کیا تھا۔" زمر نے یاد کرتے ہوئے ندرت کو دیکھا۔ انہوں نے سرہلایا۔ "ہاں ہاشم کی شادی ہے اگلے ہفتے۔"

"کون ہاشم؟" سعدی نے سیب پہ دانت گاڑتے رک کر پوچھا۔

"فارس کے ماموں کا بڑا بیٹا ہے۔ تم لوگ نہیں جانتے میں نے بھی عرصہ پہلے دیکھا تھا۔ اصل میں زمر' فارس ادھر ہوتا جو نہیں تھا' تو اس سے جڑے بہت سے لوگوں سے بچوں کا تعارف نہیں ہے۔ خیر اب وہ آگیا ہے تو اس کی وجہ سے وہ ہمیں بھی بلائیں گے۔"

ندرت بات کرتے ہوئے مسلسل چھ سالہ سیم کے ہاتھ پکڑ پکڑ کر اس کو میز کی چیزیں اٹھانے سے روک رہی تھیں۔ اور وہ عادتاً" ہر شے اٹھا کر پھینکنا چاہتا تھا۔

"اس پہ نظر رکھو' میں ذرا روٹی اتار لوں۔ کھانا کھا کر جانا زمر!" سعدی اور اسے ایک ساتھ مخاطب کرتے وہ اٹھیں تو زمر نے کلائی پہ بندھی گھڑی دیکھی۔

"اوہو۔ امی منتظر ہوں گی' دیر ہو جائے گی۔ ویسے پکا کیا ہے؟"

"مٹر قیمہ۔" ندرت بھی مسکرائیں اور سعدی بھی۔

"اب پڑ گئیں نا پھوپھو سوچ میں۔"

"سوچنے والی بات ہی نہیں ہے۔ مجھے جلدی جانا ہے تو یہاں کھا نہیں سکتی مگر پیک تو کروا سکتی ہوں۔"

ندرت مسکراتے ہوئے کچن کی طرف چلی گئیں تو وہ سعدی کی طرف متوجہ ہوئی۔ "اسکالرشپ کے لیے ناموں کا اعلان ہو گیا؟"

"او نہوں۔ مگر اسی ہفتے ہونا ہے۔" پھر وہ ذرا مایوس ہوا۔ "مجھے نہیں لگتا مجھے اسکالرشپ ملے گا۔ میں تو نارمل سا اسٹوڈنٹ ہوں' مجھ سے بہتر امیدوار ہوں گے وہاں۔"

"مگر مجھے یقین ہے کہ تمہیں اسکالرشپ مل جائے گا۔"

سعدی کا چہرہ امید سے چمکا۔ "اچھا' آپ کو کیسے یقین ہے؟"

"یہ یقین ہے' ریاضی کا سوال نہیں جو اس کی کوئی لاجک بھی ہو۔ بس ہے تو ہے۔" اس نے ذرا سے کندھے اچکائے۔

"چلیں سب نام لکھوائیں' ہم پارٹی کر رہے ہیں۔"

اندر سے تیرہ سالہ حنین بولتی ہوئی آئی۔ اس کے ماتھے پہ کٹے ہوئے بال گرے تھے' ناک پہ چشمہ تھا اور لبوں پہ شرمگیں مسکراہٹ' جو صرف زمر کو دیکھ کر آتی تھی۔ زمر بھی اسے دیکھ کر مسکرائی۔ حنین نے ایک فہرست سامنے رکھی اور ہاتھ میں پین پکڑے' بہت سمجھ داری سے اعلان کیا۔

"سوموار کی شام ہم پارٹی کریں گے۔ میں دہی بھلے لاؤں گی اور سیم' تم برگرز لاؤ گے۔" تحکم سے سیم سے کہا۔ وہ جلدی جلدی سر اثبات میں ہلانے لگا۔ (سیم کی چیز ہمیشہ امی لاتی تھیں)

"اور پھوپھو' آپ؟" زمر کو دیکھ کر پوچھتے اس کی آنکھوں میں وہی شرمگیں مسکان پھر سے جھلملانے لگی۔

"میں لزانیہ لاؤں گی۔"

"اور امی آپ؟" حنین نے زور سے آواز دی۔ کچن سے آواز واپس آئی "میں فروٹ چاٹ لاؤں گی۔"

اب سب نے سوالیہ نظروں سے سعدی کو دیکھا تو وہ ایک گال کھجاتا ہوا بولا۔ "میں برتن لاؤں گا۔"

حنین کی بھنویں ناراضی سے بھنچیں فوراً" پھپھو کو پکارا۔ "پھپھو' بھائی کو کہیں کہ یہ سموسے لائیں گے۔"

"اتنا کچھ تو ہے' پہلے تم وہ تو کھاؤ' کٹو۔"

"کوئی بہانہ نہیں سعدی' تم سموسے لاؤ گے۔" زمر نے مسکراہٹ دبا کر اسے تنبیہہ کی' وہ منہ میں کچھ بڑبڑا کر سر جھٹک کر رہ گیا۔ حنین کے ناراض تاثرات نارمل ہوئے' اس نے بڑے جوش سے سعدی کا نام لسٹ میں لکھ لیا۔ پھر باری باری سب سے سائن کروائے۔ تب ہی امی نے پکارا تو وہ پھپھو کا باکس لینے کچن میں بھاگی۔ زمر نے پانی مانگا تو سعدی بھی پیچھے ہی گیا۔

زمر نے پرس سے سن گلاسز نکالے اور آہستہ سے صوفے کے نیچے کارپٹ پہ رکھ دیے' پھر سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔

ندرت ڈبا لے آئیں تو وہ سب اسے چھوڑنے دروازے تک آئے۔ حنین فوراً" واپس آ کر لاؤنج کی کھڑکی کا پردہ ہٹا کر دیکھنے لگی۔ زمر اور سعدی کار کے پاس کھڑے تھے' زمر اندر بیٹھنے لگی' پھر کسی احساس کے تحت بیگ کھولا' ادھر ادھر دیکھا۔

حنین چونکی' پھر فوراً" صوفے تک آئی چیزیں ادھر ادھر کیں' اوپر نیچے دیکھا۔ گلاسز نیچے گرے پڑے تھے۔

"اوہ پھپھو پھر کچھ بھول گئیں۔" فاتحانہ خوشی سے کہتی' وہ عینک اٹھا کر دروازے کی طرف بھاگی۔ زمر واپس آ رہی تھی۔ ادھر اس نے دروازہ کھولا' ادھر حنین نے شرمیلی مسکراہٹ کے ساتھ گلاسز والا ہاتھ بڑھایا۔

"میں شاید اپنے گلا.... اوہ..." زمر کا سوال مکمل بھی نہ ہوا تھا کہ حنین کو دیکھ کر لبوں پہ مسکراہٹ بکھر گئی۔ اس نے عینک پکڑی' اور ہولے سے حنہ کا گال تھپتھپایا۔

"میری زندگی میں ہونے کے لیے شکریہ حنہ۔"

اب کے وہ گئی تو حنین واپس صوفے پہ آ بیٹھی۔ اسے دوبارہ کھڑکی میں نہیں کھڑے ہونا تھا۔ کیونکہ زمر بھول صرف ایک دفعہ کرتی تھی۔ حنین امید صرف ایک دفعہ لگاتی تھی۔

اس نے میز سے لسٹ اٹھائی تو فوراً" سے مسکراہٹ اڑنچھو ہوئی۔ وہاں سعدی کے نام کے آگے لکھا سموسے کاٹ کر برتن لکھا تھا۔ اور بھائی خود غائب تھا۔ حنین نے غصے سے چلانے کے لیے منہ کھولا' مگر پھر خود ہی ہنس پڑی اور برتن کو دوبارہ سموسے کر کے لاؤنج کے کونے میں رکھی کمپیوٹر ٹیبل پہ آ گئی۔ ادھر اس نے کمپیوٹر آن کیا' ادھر سیم ساتھ والی کرسی پہ آ بیٹھا۔ وہ گیم کھیلے گی تو وہ دیکھے گا' یہی دستور تھا' یہی معمول تھا۔

☆ ☆ ☆

ڈائننگ ٹیبل پہ کریلے گوشت کے قریب مٹر قیمہ بھی ایک چھوٹے ڈونگے میں رکھا تھا اور فرحانہ بیگم اس میں سے چمچ سے سالن نکالتی کہہ رہی تھیں۔

"مرچیں ندرت ہمیشہ تیز ڈالتی ہے' اب اگر تمہیں دینا ہی تھا تو وہ سالن دیتی جس میں مسالہ کم ہو' مگر نہ جی۔" سربراہی کرسی پہ براجمان۔

بڑے ابا روٹی کا نوالہ توڑ رہے تھے' اور دائیں ہاتھ بیٹھی زمر پانی کا گھونٹ بھر رہی تھی' دونوں نے نہیں سنا۔

"اصل میں پتا ہوتا ہے نا اس کو کہ ہم دونوں بوڑھوں نے بھی کھانا ہے اور مرچیں ہمیں کتنا نقصان کریں گی۔" اب کی بار یوسف خان نے خفگی سے ان کو دیکھا۔

"بوڑھوں کی فہرست آپ خود تک محدود رکھیے بیگم' میں ابھی اس میں شامل نہیں ہوا ہوں۔"

زمر نے مسکراتے ہوئے منہ میں موجود لقمہ چبایا اور پھر ان کو متوجہ کیا۔

"پتا ہے' آج کل میری کلاس میں کون آ رہا ہے؟"

کہہ کر اس نے دوسرا لقمہ منہ میں رکھا اور لب بند کیے بہت نفاست سے اسے چباتی رہی اور وہ دونوں اس کو دیکھتے رہے۔ جب نگل چکی تو بولی۔

"فارس غازی.... ندرت بھابھی کا سوتیلا بھائی جو انٹیلی جنس میں ہوتا ہے۔"

فرحانہ حیران ہوئیں' پھر مشکوک۔

"تمہاری کلاس میں وہ کیا کر رہا ہے؟"

"ہاں زمر' اس نے مجھے بتایا تھا کہ ایل ایل بی کر رہا ہے' اس سے اس کو ترقی کے چانسز زیادہ ملیں گے۔ یہ لڑکے بھی نا' پڑھائی سے بھاگنے کے لیے فورسز میں جاتے ہیں اور پھر وہاں پڑھتے بھی ہیں اور بھاگتے بھی ہیں۔"

"کیا ندرت نے ذکر کیا تھا پہلے؟" ان کو نظرانداز کیے فرحانہ تیزی سے بولیں۔

"کیا ہوتا تو میں تبادلے میں اس کی مدد ہی کروا دیتی۔" وہ سلاد کی پلیٹ اٹھا کر کانٹے سے کچھ کھیرے اپنی پلیٹ میں نکال رہی تھی۔

"اب تم زیادہ اچھی نہ بننا کہ اس کے سوتیلے بھائی کو فیور دینے لگ جاؤ۔"

زمر نے گلاس سے گھونٹ بھرا' گیلے لب نیپکن سے تھپتھپائے اور سر اٹھا کر امی کو سنجیدگی سے دیکھا۔

"امی! ایک چیز ابھی سے کلیئر کر لیتے ہیں۔

یونیورسٹی مجھے ایوننگ کلاسز لینے کا ایک معقول معاوضہ دیتی ہے اور اس معاوضے کو حلال کرنے کے لیے ضروری ہے کہ میں یونیورسٹی کے ساتھ کیے گئے اپنے معاہدے کو پورا کروں جس کے تحت میں ہر اسٹوڈنٹ کی غیر مشروط مدد کرنے کی پابند ہوں۔ اور اس لیے میں ذاتی تعصب کی بنا پہ نہ کسی کو نقصان پہنچا سکتی ہوں اور نہ ہی ذاتی تعلق کی بنا پہ غیر ضروری فائدہ دے سکتی ہوں۔ پھر چاہے بھابھی کا بھائی ہو' یا سلیم درزی کا بیٹا' جو بھی میرے پاس مسئلہ لے کر آئے گا' مجھے اسے حل کرنا ہو گا۔"

بہت نرمی اور رسان سے اس نے کہا مگر عام حالات میں شگفتہ رہنے والی فرحانہ' ندرت کے ذکر پہ خفا سی ہو کر برتن اٹھانے لگیں۔

"ہاں ہاں' میں تو کہہ کر پھنس جاتی ہوں۔"

"پھنس تو آپ اچھا کھانا بنا کر بھی جاتی ہیں' کیونکہ ہم ٹیچرز شاید اگلے ماہ ون ڈش رکھیں تو اس میں بھی مجھے ایسا ہی کریلے گوشت بنا کر دیجیے گا' کیونکہ ماؤں کے ہاتھ کے کریلے کبھی کڑوے نہیں ہوتے۔"

"ہاں تو برا کھانا بنایا ہے میں نے کبھی؟" اب کے ناراضی مصنوعی تھی۔ وہ برتن لے کر کچن میں چلی گئیں۔ ان کے جاتے ہی یوسف صاحب فوراً" زمر کی طرف مڑے۔

"فارس کا ہر طرح سے خیال رکھنا' کوئی بھی ضرورت ہو تو اس کی مدد ضرور کرنا۔"

"جیسا کہ میں نے ابھی کہا' بلا ضرورت کوئی فائدہ دوں گی نہ بے وجہ کوئی نقصان۔" وہ کندھا اچکا کر ٹوتھ پک نکال رہی تھی۔

"ویسے آپ کا ذکر کر رہا تھا وہ۔" سرسری سا کہا۔ بڑے ابا چونکے' کچن کو دیکھا' پھر اس کو۔

"اچھے لوگوں کی اچھی عادتوں میں سے ایک دوسروں کو اچھے لفظوں میں یاد رکھنا بھی ہوتی ہے۔"

"آپ یہ کہنے کے لیے تمہید باندھ رہے ہیں کہ آپ نے بھی اس کی کوئی مدد نہیں کی؟"

"تم سے کس نے کہا ہے؟"

"جب آخری دفعہ میں نے چیک کیا تھا تو میرے اوپر وحی تو اترتی نہیں تھی۔" وہ بہت اطمینان سے نیپکن سے ہاتھ صاف کر رہی تھی۔ "پھر کیا مدد کی تھی آپ نے ان کی؟"

"تم..." تلملا کر پھر سے کچن کو دیکھا۔ "تم میرے گھر کا ماحول خراب کرنے پہ تلی ہو۔"

"اگر آپ کے منہ سے نکلنے والے اگلے الفاظ میرے سوال کے جواب کے علاوہ ہوئے تو میں یہی سوال تھوڑی دیر بعد گرماگرم چائے کے ساتھ دہرا دوں گی۔" اب وہ ہتھیلی پہ چہرہ ٹکائے' مسکرا کر ان کو دیکھ رہی تھی۔

"اتنا بھی نہیں کیا کچھ خاص' جتنا وہ یاد رکھتا ہے۔ وہ زیادہ پڑھ نہیں سکا تھا' ماں نے تھوڑا بہت روپیہ پیسا چھوڑا' اس سے چھوٹی عمر میں کاروبار کرنے کی کوشش کی تو سب ڈوب گیا۔ اوپر سے قرضہ بھی چڑھ گیا۔ اس کے ماموں کافی امیر آدمی ہیں مگر ان سے مانگتے اس کی ناک آڑے آتی تھی' اس لیے میں نے اس کی مدد کی تھی قرضہ اتارنے میں اور پھر ایجنسی میں نوکری کے لیے بھی تھوڑی بہت کوشش کی' حالانکہ وہ میرٹ پہ سلیکٹ ہوا مگر اس کو بھی میرے کھاتے میں ڈال دیتا ہے۔ اب تو سارا قرضہ لوٹا بھی چکا ہے' پھر بھی بھولتا نہیں ہے۔"

"تو اچھی بات ہے نا۔ زندگی بن گئی اس کی' اس لیے یاد رکھتا ہے۔"

وہ کہنیاں میز پہ ٹکائے' اب پھر سے پانی پی رہی تھی۔ بڑے ابا نیپکن ہٹا کر اٹھے اور کونے میں لگے سنک کے اوپر کھڑے ہاتھ دھونے لگے۔ زمر گھونٹ گھونٹ پانی پیتی مسکرا کر اپنے ابا کو دیکھتی رہی' جو واقعی ابھی بوڑھوں اور معذوروں کی فہرست میں شامل نہیں ہوئے تھے۔

دروازہ زور زور سے بجا۔ ایک' دو' تین۔ سعدی نے "آرہا ہوں" کہتے راہداری پار کی۔ دوبارہ دستک ہوئی۔ بیل بھی بجی۔ اوہو اس نے دروازہ کھولا۔ سامنے فارس کھڑا تھا۔

"یار ماموں! میں کھول ہی رہا تھا' آپ...." گڑبڑا کر وہ چپ ہوا۔ فارس نے آنکھ سے اشارہ کیا اور پیچھے مڑ کر کہا۔

"آیئے ماموں!" سعدی کے لب کھل گئے۔ مطلب' ماموں کے ماموں؟ وہ دیکھے بغیر اندر بھاگا۔ امی کچن میں شام کی چائے کو دم لگا رہی تھیں۔ وہ ان کے سر پہ جا پہنچا۔

"امی.... ماموں کے.... ماموں آئے ہیں۔ مطلب' افوہ۔"

"کیا؟" پہلے تو امی کو سمجھ نہیں آیا اور جب آیا تو جلدی سے باہر آئیں۔ فارس راہداری سے ہوتا ہوا ان کو لا رہا تھا۔ گرے سوٹ میں ملبوس' باریک تراشیدہ سفید' سرمئی مونچھوں والے' کافی بارعب' مگر ہینڈسم آدمی تھے۔ آنکھوں میں ایک سخت سا تاثر تھا' گردن میں سریا۔ امی کے سلام کا سر کے خم سے جواب دیا۔ تنے ابرو کے ساتھ کرّوفر سے بڑے صوفے پہ ٹانگ پہ ٹانگ رکھ کر بیٹھے۔

"بہت اچھا لگا کہ آپ آئے۔" امی اپنی ابتدائی بوکھلاہٹ پہ قابو پاتی' کہتے ہوئے صوفے کے کشن برابر کر رہی تھیں۔ شکر کہ لاؤنج صاف پڑا تھا۔ پھر بھی نظر گھما کر دیکھا اور جب فارس پہ نگاہ ٹھہری تو ندرت نے "بتایا کیوں نہیں؟" والے انداز میں اسے گھورا' مگر وہ ذرا سے شانے اچکا کر سنگل صوفے پہ جا بیٹھا۔

"یہ میرا بیٹا ہے' سعدی!" امی سامنے کھڑی' تعارف کروانے لگیں۔ سعدی نے مسکرا کر سلام کیا' انہوں نے بنا مسکرائے مگر شائستگی سے جواب دیا۔ وہ کشن لے کر کارپٹ پہ بیٹھ گیا۔ لاؤنج کے کونے میں کمپیوٹر ٹیبل پہ بیٹھی حنین مسلسل کی بورڈ پہ کچھ ٹائپ کر رہی تھی۔ ندرت نے بظاہر مسکراتے ہوئے مگر گھور کر کہا۔

"حنہ' سلام کرو۔" تو وہ ذرا سی مڑی' سلام کیا اور واپس۔ اور نگزیب کاردار نے تو شاید سنا ہی نہیں۔ پرتکلف سے بیٹھے تھے۔ "آپ کو عزت بخشی ہے" والا انداز۔

راہداری کا دروازہ پھر بجا' دھیما سا جیسے کسی نے انگلی کی پشت سے ناک کیا ہو۔ سعدی فوراً" اٹھا تو کاردار صاحب بولے۔

"میرا بیٹا ہوگا' کال سننے رک گیا تھا۔" سعدی راہداری میں آیا تو وہ ادھر کھلے دروازے میں کھڑا تھا۔ اس نے ٹائی اور ویسٹ بھی پہن رکھی تھی' بس کوٹ نہیں تھا۔ ٹائی پن' کف لنکس' جوتے' ہر شے اپنی قیمت آپ بتاتی تھی اور اس سے زیادہ بیش قیمت اس کی مسکراہٹ تھی۔

"میں ہاشم ہوں' ہاشم کاردار۔ میرے ڈیڈ غالباً" اندر ہیں۔" وہ مسکراتے ہوئے اپنائیت سے بولا تھا۔ سعدی جلدی سے اس تک آیا۔

"جی' وہ اندر ہیں۔ میں سعدی یوسف ہوں۔" اس نے بھی مسکرا کر بتایا' اندر آنے کا راستہ دیا۔

ہاشم ندرت سے بھی اسی مسکراہٹ کے ساتھ ملا۔ پھر اپنے باپ کے ساتھ صوفے کے دوسرے سرے پہ جا بیٹھا۔ سعدی کو محسوس ہوا کہ وہ ہمیشہ اپنی گہری آنکھوں سے اطراف کا جائزہ لیتے ہوئے مسکراتے رہنے کا عادی تھا۔ جو بھی تھا' وہ اسے اچھا لگا تھا۔

"ہاشم کی شادی ہے اگلے ہفتے۔ ولیمہ کا کارڈ مل گیا آپ کو؟" اسی سنجیدگی سے اورنگزیب کاردار نے ندرت کو مخاطب کیا۔ وہ سامنے سنگل صوفے پہ ٹکی تھیں' سر ہلانے لگیں۔

"جی' جی ہم ضرور آئیں گے۔" (حالانکہ اس سے پہلے آنے کا ارادہ نہ تھا۔)

"ہاشم اور میں آفس سے نکلے تھے تو فارس مل گیا۔" ہاتھ سے ذرا سا اشارہ کیا اس کی طرف جو بے نیاز سا دوسرے سنگل صوفے پہ بیٹھا' موبائل پہ کچھ کر رہا تھا "تو سوچا' اس کے رشتے داروں کو ذاتی طور پر مدعو کر دیں۔ باقی آپ کے دوسرے رشتے دار...." نظر بھر کر

ہاشم کو دیکھا "وہ سب ہاشم سنبھال لے گا۔" ہاشم نے اثبات میں سر کو خم دیا۔ اب اورنگزیب کاردار کلائی پہ بندھی گھڑی کو دیکھتے خاموش بیٹھے تھے۔ بہرحال' ان کی مہربانی تھی کہ وہ چلے آئے' ورنہ مزاج کے تو وہ اسی طرح سخت اور غصہ ور مشہور تھے۔ ندرت نے سوچا۔

خاموشی کا وقفہ ذرا بڑھا تو ہاشم نے دوستانہ انداز میں کارپٹ پہ کشن کے سہارے بیٹھے اٹھارہ سالہ سعدی کو مخاطب کیا۔

"کیا پڑھ رہے ہو تم؟"

"یونیورسٹی آف لیڈز میں کیمیکل انجینئرنگ کے لیے اپلائی کیا ہے' مگر ابھی اسکالرشپ کا حتمی فیصلہ نہیں آیا۔"

"تو کتنی امید ہے کہ انجینئر بن جاؤ گے؟"

سعدی ذرا جھینپ کر ہنسا۔ "میں کچھ کہہ نہیں سکتا۔"

"پھر بھی' گھر میں ایک بچہ ایسا ہوتا ہے جس کے بارے میں ماں باپ کو بچپن سے یہ امید ہوتی ہے کہ وہ سب سنبھال سکتا ہے (مسکرا کر باپ کو دیکھا اور ندرت کی طرف متوجہ ہوا) وہ جو ضرور کسی قابل بن جائے گا' تو آپ کے بچوں میں سے ایسا کون ہے؟"

پھر سعدی کو دیکھا۔

"کیا وہ تم ہو؟"

"ہم تینوں میں سے بھی ایک کا سب کو پتا ہے کہ اس نے انجینئر ضرور بننا ہے' باقیوں کا کوئی پتا نہیں اور وہ ایک میں نہیں ہوں بالکل بھی۔"

ہاشم نے شاید اس جواب کی توقع نہیں کی تھی' تبھی تعجب سے ابرو سوالیہ اٹھائی۔

"تو؟"

کمپیوٹر چیئر گھومی' ماتھے پہ کٹے بالوں والی لڑکی سامنے ہوئی' اور ہاشم کو دیکھتے ہوئے۔ سنجیدگی سے بولی "وہ میں ہوں' حنین ذوالفقار یوسف خان۔"

(عرف حنہ' عرف کٹو بیگم) سعدی نے اتنا آہستہ بڑبڑایا کہ اپنے سوا کسی کو آواز نہیں آئی۔

"ہوں.... گڈ! ہاشم نے مسکرا کر اسے دیکھا۔ وہ بے نیازی سے واپس گھوم گئی۔

"حنین تو انجینئر بن ہی جائے گی' یہ سارہ خالہ کی طرح پڑھائی میں بہت اچھی ہے۔"

"کیا .... فارس کی کوئی اور بہن بھی ہے؟"

اورنگزیب کاردار نے چونک کر فارس کو دیکھا۔ وہ موبائل سے نظریں ہٹائے بغیر ہاتھ مسلسل چلاتے ہوئے بولا۔

"نہیں' وہ وارث کی بیوی ہے۔ اصل میں سارہ میری فرسٹ کزن بھی ہے' تو بچے بچپن سے خالہ بولتے ہیں' بعد میں اس کی شادی میرے بھائی سے ہو گئی تو ان کی ممانی بھی بن گئی۔" ندرت نے تفصیل سے بتایا۔ مگر سعدی کو اس نامکمل تعارف پہ بے چینی ہوئی۔

"وہ یوکے گئی ہوئی ہیں پی ایچ ڈی کرنے اور وہ پراسیس ڈیزائن میں پی ایچ ڈی کرنے والی پہلی پاکستانی ہیں۔" ہاشم نے مسکرا کر سر ہلایا' اورنگزیب پھر سے گھڑی کو دیکھنے لگے۔ سعدی کو لگا' کوئی متاثر نہیں ہوا۔ اس نے ہاشم سے پوچھا۔

"آپ نے کہاں سے پڑھا ہے؟"

"اسٹین فورڈ سے۔ میں لائیر ہوں۔"

سعدی کے لب "اوہ۔" میں سکڑے۔ "تو آپ وکیل ہیں۔ میری پھپھو بھی وکیل ہیں۔"

"انہوں نے کہاں سے پڑھا ہے؟" وہ اسی نرم مسکراہٹ کے ساتھ پوچھ رہا تھا۔

"یہیں پاکستان سے۔" سعدی کے لہجے میں فخر تھا۔

ندرت چائے کے لیے اٹھیں تو اورنگ زیب منع کرنے لگے ان کو جانے کی عجلت تھی۔ ان کا وقت بے حد قیمتی تھا۔ مگر ندرت بصد اصرار چلی ہی گئیں۔

"تم میرے ساتھ روف کی طرف آؤ گے؟" انہوں نے ہاشم کو مخاطب کیا۔

"جی' مگر میں وہاں سے جلدی اٹھ جاؤں گا' شیری نے کوئی نئی مووی لی تھی' ہمارا ساتھ دیکھنے کا پروگرام تھا۔" اورنگ زیب صاحب نے ہوں میں سر کو خم دیا۔

ایک دفعہ پھر گھڑی دیکھی۔ اس سے پہلے کہ وہ فارس سے کہتے کہ اپنی بہن کو فضول کی خاطر داری سے منع کرے۔

کمپیوٹر چیئر کے پہیے گھومے حنین سامنے ہوئی۔

"کون سی مووی دیکھنے جا رہے ہیں آپ؟" ہاشم نے بے اختیار اسے دیکھا۔

"ایک نئی امریکی مووی آئی ہے۔"

"آپ نام بتائیں میں نے دیکھ رکھی ہوگی۔"

"یہ ..." وہ متذبذب ہوا "ابھی کچھ عرصے پہلے ریلیز ہوئی ہے۔ بورن الٹی میٹم۔"

"اوہ ... بورن سیریز۔" حنین نے منہ بنایا "اس کا صرف پہلا پارٹ اچھا تھا، مگر یہ والا پارٹ کافی ڈریگ کیا گیا ہے، بورن آئی ڈینٹیٹی Identity Bourne والی بات نہیں ہے اس میں۔"

ہاشم نے مسکراتے ہوئے تیکھی نظروں سے اسے دیکھا۔ "کیا تمہیں یقین ہے کہ تم بورن سیریز کے ناولز کی بات نہیں کر رہیں؟"

"آپ یہ کہنا چاہ رہے ہیں کہ میں ناول پڑھ کر ظاہر کر رہی ہوں کہ میں نے مووی بھی دیکھ رکھی ہے؟ شاید آپ کو معلوم نہیں ہے کہ یہ سیریز ان ناولز پہ صرف Losely Based ہے اور جب آپ یہ نیا پارٹ دیکھیں، اور اکثر جگہوں پہ کیمرہ بری طرح ہلتا ہوا محسوس ہو، اور لگے جیسے کیمرہ مین کو رعشہ لاحق ہے، تو جان لیجئے گا کہ آپ سے پہلے یہ فلم دیکھ لینے والی حنین یوسف سچ کہہ رہی تھی اور میں اس فلم کو مزید ڈسکس کرتی، لیکن مجھے اس طرح کی فلمیں زیادہ پسند نہیں۔ سو بات ختم!"

ہاشم نے صرف مسکرا کر سر ہلایا، مگر اورنگ زیب کاردار آنکھیں سکیڑ کر اس کو دیکھنے لگے تھے۔

"تو تمہیں کس طرح کی فلمیں پسند ہیں؟" وہ ابھی بھی پر تکلف اور سرد آواز میں پوچھ رہے تھے مگر توجہ پوری اس کی طرف تھی۔ سعدی نے گہری سانس لے کر سر جھٹکا، جیسے کٹو کو سننے کی تاب اس میں نہیں تھی

حنین نے لاپروائی سے شانے اچکائے۔

"فلم کا اچھا ہونے کے لیے کسی خاص طرح کا ہونا ضروری نہیں ہوتا، پلاٹ اور کرداروں کو اچھا ہونا چاہیے اور کسی بھی کہانی کے اچھا ہونے کا مطلب حقیقت سے قریب ہونا نہیں کنوینسنگ ہونا ہے۔ مجھے ایسی امریکی فلمیں نہیں پسند جن میں ہیرو مار کھا کھا کر بھی نہیں مرتا، مگر ڈائی ہارڈ مجھے بہت پسند ہے۔ مجھے ہارر فلمیں بھی سخت ناپسند ہیں مگر "دی رنگ" بہت اچھی ہے۔ جادوئی فینٹسی تو مجھے زہر لگتی ہے، مگر ہیری پوٹر اور لارڈ آف دی رنگز کی کیا بات ہے۔ سائنس فکشن بھی بہت بور کرتی ہیں مجھے، مگر "آئی روبوٹ" میں بار بار دیکھ سکتی ہوں۔ سائیکو تھرلز سے تو مجھے چڑ ہے، مگر سائنس آف دی لیمب میری فیورٹ ہے۔ پیریڈ فلمیں بھی بعض اوقات بہت مصنوعی ہو جاتی ہیں مگر گلیڈی ایٹر، پیٹریاٹ اور بریو ہارٹ میں میری جان ہے۔"

وہ تب خاموش ہوئی جب چائے آئی اور اورنگ زیب صاحب نے کپ پکڑ بھی لیا اور گھونٹ بھر بھی لیا۔ دیکھ ابھی تک وہ اسی کو رہے تھے۔

"تو پھر تمہیں آخر پسند کس طرح کی انگریزی فلمیں ہیں؟"

"کس نے کہا مجھے انگریزی فلمیں پسند ہیں؟ ہالی ووڈ کی ہر فلم اب ایک جیسی لگنے لگی ہے۔ میں تو ایرانی، کورین، چائنیز، تائیوانی اور ہسپانوی فلمیں دیکھتی ہوں زیادہ شوق سے، اور ہسپانوی بھی وہ جو اسپین کی نہیں بلکہ کولمبیا کی ہسپانوی زبان میں بنی فلمیں ہوں۔"

ہاشم نے باپ کو دیکھ کر مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"اور ایک لائق اسٹوڈنٹ کو فلمیں دیکھنے کا فارغ وقت کیسے مل جاتا ہے؟"

"کس نے کہا کہ میں اپنا فارغ وقت صرف موویز پہ لگاتی ہوں؟ مجھے تو کمپیوٹر گیمز زیادہ پسند ہیں۔ میں نے اب تک کال آف ڈیوٹی میں پتا ہے کتنے ..."

"حنین اگر تم ابھی کے ابھی خاموش ہو کر ہمیں

شکریے کا موقع دو تو میں وعدہ کرتا ہوں، کل تمہارے لیے چھ عدد سیخ کباب لاؤں گا۔" سعدی نے بس ہاتھ نہیں جوڑے، لہجہ ورنہ ایسا ہی تھا۔ حنین نے سنجیدگی سے ذرا مڑ کر اسے دیکھا۔

"چھ نہیں، بارہ اور ساتھ میں مایونیز والی ساس بھی۔" اور واپس گھوم گئی۔

"ہاں، ہاں ٹھیک ہے۔" سعدی نے جھلا کر گویا جان چھڑائی۔ اورنگزیب صاحب آدھی چائے پی چکے تھے۔ باکس آفس ختم ہوا تو باقی چائے کی امید بھی دم توڑ گئی۔ وہ اٹھ گئے۔

"فنکشن میں آنا اور اس بچی کو بھی ساتھ لانا۔" دروازے تک جاتے انہوں نے ندرت سے بس اتنا کہا۔ سعدی اور وہ انہیں چھوڑنے باہر تک آئے۔ فارس وہیں بیٹھا تھا۔

"جب تک تمہارا اسکالر شپ فائنل نہیں ہوتا، تم میرے گھر آجایا کرو، میری اسٹڈی تمہیں ضرور متاثر کرے گی اور تم وہاں بیٹھ کر بہت کچھ پڑھ بھی سکو گے۔" ہاشم نے کار کے ساتھ کھڑے سعدی کو جب یہ بات کہی تو اس نے اسے ازراہ مروّت کی جانے والی پیشکش سمجھا، مگر آخری خدا حافظ سے پہلے جب ہاشم نے یہ دہرایا تو سعدی نے بھی مسکرا کر آنے کا وعدہ کر لیا۔ گو کہ اسے بالکل بھی نہیں لگتا تھا کہ وہ کاردار ز کے گھر جائے گا۔

اسے غلط لگتا تھا۔

☆ ☆ ☆

زمر فون کان سے لگائے، لاؤنج میں بے چینی سے ٹہل رہی تھی۔ اس کی آنکھوں میں شدید اضطراب رقم تھا۔ دوسری جانب گھنٹی جا رہی تھی۔

دفعتاً وہ رکی۔ "جی میں زمر بات کر رہی ہوں، جی بالکل... میں نے طلبا کی فہرست معلوم کرنے کے لیے کال کی تھی جو اسکالر شپ کے لیے نامزد ہوئے ہیں۔"

ایک گھنگھریالی لٹ انگلی پہ لپیٹتی، بظاہر نارمل انداز میں کہہ رہی تھی۔

"آپ مجھے وہ پانچ نام پڑھ کر سنا سکتے ہیں؟ جی... جی ہوں۔" وہ لب آپس میں پیوست کیے، ٹہلتی ہوئی سنتی گئی۔ چہرے پہ تناؤ بڑھتا گیا۔ ایک، دو، پانچ...

"کیا یہی تمام نام ہیں؟ آر یو شیور؟" آہستہ آہستہ آنکھوں میں امید کی جوت بجھتی گئی۔

"او کے... مگر کیا آپ کاؤنٹر چیک کر سکتے ہیں؟ اس فہرست میں واقعی کسی سعدی یوسف کا نام نہیں ہے؟" ایک آخری امید... وہی جس پہ سب کی دنیا قائم ہے۔ مگر جواب سن کر ساری دنیا ڈوبتی گئی۔

"او کے۔" اسے اپنی آواز مدھم سی سنائی دی۔ آہستہ سے فون رکھا اور صوفے پہ بیٹھ گئی۔ کمرے سے فرحانہ کے دروازہ کھولنے کی آواز آئی۔ لحاف کا بنڈل بنا کر اٹھائے، وہ اسٹور روم کی طرف جا رہی تھیں۔ اسے زرد، شل سا بیٹھے دیکھ کر رکیں۔

"کیا ہوا؟" وہ چونکی، پھر پھیکا سا مسکرائی۔

"کچھ نہیں ہوا۔" اور یہی تو صدمہ تھا کہ کچھ نہیں ہوا۔

☆ ☆ ☆

آج کمپیوٹر چیئر خالی تھی، کیونکہ حنین صوفے پہ بیٹھی تھی۔ گود میں پلیٹ تھی اور وہ ابھی تک کھا رہی تھی۔ ان کی "ون ڈش" پارٹی ختم ہو چکی تھی۔

زمر بڑے صوفے پہ بیٹھی، ٹشو سے نفاست سے لب تھپتھپا رہی تھی۔ سعدی، امی کے ساتھ برتن اٹھوا رہا تھا۔ سیم باقی ماندہ پیپسی پی رہا تھا۔

"ہاں، میں نے پتا کیا تھا۔" ٹشو سے ہاتھ صاف کرتے ہوئے زمر نے سعدی کے سوال کا جواب دیا اور پھر اس کی طرف دیکھ کر سکون سے بولی "ناموں کا اعلان ابھی نہیں ہوا۔ شاید دو، تین دن مزید لگیں۔"

"اوہ۔" سعدی کا جوش، امید، خوف، سب ٹھنڈا ہوا۔ وہ آخری پلیٹ ندرت کے ہاتھ میں پکڑی ٹرے میں رکھ کر زمر کے ساتھ صوفے پہ آبیٹھا۔ گھٹنوں پہ کہنیاں رکھے، آگے کو جھک کر بیٹھے، وہ مایوس لگ رہا تھا۔

"سعدی! تمہیں اسکالر شپ مل جائے گا، بعض دفعہ لوگ میرٹ پہ اسکالر شپ نہیں بانٹتے، بلکہ

ناانصافی کر جاتے ہیں' اس کے باوجود تمہارے ساتھ نا انصافی نہیں ہوگی۔" اس نے سعدی کو کندھے کو تھپکا

وہ "ہوں۔" کہہ کر مسکرا دیا۔ مگروہ بددل زیادہ تھا۔ تب ہی جب گھنٹی بجی تو اس نے کہا۔

"سیم' موٹے آلو! جاؤ جا کر دروازہ کھولو۔ کبھی کوئی کام بھی کر لیا کرو۔"

سیم نے فوراً" تعمیل کی۔ جب وہ واپس آیا تو اس کے پیچھے فارس تھا۔ چوکھٹ پہ وہ ذرا دیر کو جھجکا۔ زمر بھی اسے دیکھ کر ذرا زیادہ سیدھی ہوئی۔

"سوری' میں غلط وقت پہ آ گیا۔ وہ جو چیزیں کہی تھیں آپا سے' وہی لینے آیا تھا۔" اور وہ بالکل بھی نادم نہیں نظر آ رہا تھا۔

"اٹس او کے ماموں' آئیں۔ ہم بس پارٹی ختم کر چکے تھے۔" سعدی اٹھ کھڑا ہوا۔

"ہوں.... میں بھی بس نکلنے والی تھی اور آپ ٹھیک ہیں؟" زمر اپنی چیزیں سمیٹتے ہوئے اسے دیکھ کر ذرا سا تکلفاً" مسکرائی۔ فارس نے قدرے تعجب سے اسے دیکھا' اور میز کی حالت کو۔ پارٹی واقعی ختم ہو چکی تھی۔

(صبح آپا نے تو کہا تھا کہ زمر اور بچوں نے شام کو پارٹی کرنی ہے؟ میں لیٹ ہو گیا یا ان کے چھ جلدی بج گئے؟) اس نے سوچا' پھر سر جھٹکا۔ اسے کیا' وہ تو اپنی چیزیں اٹھانے آیا تھا۔ ہاں ٹھیک ہے' اسے کل صبح لینی تھیں وہ چیزیں' لیکن اگر جلدی آ گیا تو کیا ہوا ہاں؟

"یا.... ایم فائن۔" اس نے کندھے اچکائے' پھر کچن کی طرف رخ کر کے آواز دی۔ "آپا' میرا بیگ دے دیں تو میں جاؤں۔"

"اوہ' تم ابھی آ گئے۔ میں سمجھی کل آؤ گے۔" ندرت ہاتھ صاف کرتی حیرت سے ادھر آئیں۔ "اچھا بیٹھو' میں لاتی ہوں۔"

زمر نے اپنی چیزیں سمیٹ لی تھیں۔ صرف کار کی چابیاں ہاتھ میں پکڑ رکھی تھیں۔ اب اسے اٹھنا تھا' مگر حنین سامنے بیٹھی' بہت ہی دل جمعی سے پنجر سے بوٹی الگ کرتی کھا رہی تھی۔ زمر نے اسے دیکھا تو وہ ادھر ہی دیکھ رہی تھی۔ گھر کا سب سے پُراعتماد بچہ پھپھو کے دیکھنے پہ شرما جاتا تھا۔ مسکرا کر کھانے لگی۔ زمر بھی مسکرا دی اور فارس کو دیکھا' جو ابھی تک کھڑا تھا۔

سعدی نے سنگل صوفے کی طرف اشارہ کیا۔

"بیٹھ جائیں' یہ کاٹتا نہیں ہے۔"

مگر وہ نظرانداز کر کے آپا کی طرف بڑھ گیا جو اندر سے اس کا بیگ لا رہی تھیں۔

"کیا بس یہی بھجوایا ہے سلیم انکل نے؟" اس نے بیگ کو ہاتھوں میں لے کر ٹٹولا' جیسے وزن چیک کیا۔

"ہاں' ایک دفعہ دیکھ کر تسلی کر لو' سب کچھ پورا ہے۔" وہ بیٹھ گیا' بیگ کی زپ کھولی زمر بھی بے اختیار دیکھنے لگی۔ باقی سب کو شاید پتا تھا کہ اندر کیا ہے۔

فارس نے ہاتھ ڈال کر بندوق نکالی۔ لمبی نالی والی antique گن۔ الٹ پلٹ کر دیکھا۔ پھر اندر موجود گولیاں چیک کیں' ہوں' سب پورا تھا۔

"یہ ہمارے ابو کے ایک دوست تھے' ان کو شکار کا بہت شوق ہے' فارس کو ان کی کوئی گن اچھی لگی تو انہوں نے اس کے لیے بھجوا دی' مگر اس کو ضد تھی کہ یہ خریدے گا' تحفہ نہیں لے گا۔ یوں کرتے کرتے ان کو باہر جانا پڑ گیا تو پے منٹ ملنے کے بعد میری طرف ڈراپ کروا دی۔" ندرت نے زمر کو دیکھتے ہوئے وضاحت دی۔ فارس نے زپ بند کر کے سر اٹھایا تو وہ اسی کو دیکھ رہی تھی۔

"آپ کو گنز پسند ہیں؟" تعجب سے اس نے ابرو اٹھائی۔ فارس نے دو تین سیکنڈ اس کی آنکھوں میں دیکھا' پھر ابرو اچکا کر بولا۔

"بہت زیادہ۔ کیونکہ گنز انسانوں کو نہیں مارتیں۔ انسان انسانوں کو مارتے ہیں۔"

"آ.... میرا یہ مطلب نہیں تھا.... اور آپ کی پڑھائی ٹھیک جا رہی ہے؟" اس نے بات بدلی۔ صوفے کے کنارے ٹکی' وہ بس جانے کی تیاری میں تھی۔

"ہوں۔ مگر...." اسے دیکھتے ہوئے فارس ٹھہرا۔ "آپ نے جو پچھلے ہفتے ہینڈ آؤٹ فوٹو کاپی کروا کر کلاس

میں دیا تھا' وہ مجھے نہیں ملا۔"
"اوہ.... مگر وہ تو آپ کے آنے کے بعد دیا گیا تھا۔"
"شاید ابھی کوئی میری اہمیت نہیں ہے وہاں۔"
اس نے شانے اچکا دیے۔ زمر فکر مند ہوئی۔
"پھر تو آپ کو وہ تینوں ٹاپکس سمجھ میں نہیں آئے ہوں گے۔"
"سب اوپر سے گزر گیا۔" ہاتھ سے سر کے اوپر اشارہ کیا۔ "اگر آپ کے پاس وقت ہو تو؟"
"جی' بالکل' میں کل' نہیں پرسوں۔" ٹھوڑی پہ انگلی رکھے اس نے سوچا۔ "ہاں پرسوں آپ میرے پاس آیئے گا کلاس سے پہلے میں تب تک آپ کے لیے وہ نوٹس دوبارہ کاپی کروا دوں گی۔"
"شیور تھینکس۔" اس نے بس اتنا کہا۔ حنین اب ہاتھ دھونے کچن میں جا چکی تھی۔
زمر جانے کے لیے اٹھ گئی مگر اٹھنے سے قبل اس نے چابیاں کشن کے پیچھے رکھیں اور ان کو دیکھے بنا کھڑی ہوئی۔ فارس نے بیگ کندھے پہ ڈالتے ہوئے کن اکھیوں سے یہ دیکھا تھا۔ اسے چھوڑنے باہر گیا۔ حنین واپس آئی تو وہ جا چکی تھی۔ وہ ایک دم کھڑکی کے پاس جا کر کھڑی ہو گئی اور پردہ ہٹا کر باہر دیکھنے لگی۔
فارس پتلیاں سکیڑ کر اب بغور حنین کو دیکھ رہا تھا۔ دفعتاً وہ چہکی' چہرے پہ سارے زمانے کی خوشی در آئی "پھپھو پھر بھول گئیں۔" اور جلدی سے صوفے تک آئی اوپر نیچے ہاتھ مارا۔ کشن پرے کیا "یہ رہا چابیوں کا گچھا۔ اس نے فاتحانہ انداز میں وہ اٹھایا اور راہداری کی طرف لپکی۔ فارس کو یہاں تک آوازیں آ رہی تھیں۔ زمر اور سعدی واپس آئے تھے۔
"پھپھو چابی بھول گئیں۔" سعدی نے پکارا۔
حنین ان کو چابی دے رہی تھی' زمر کچھ کہہ رہی تھی.... ہر دفعہ کا معمول.... سعدی ہر دفعہ حیران ہوتا' پھر کبھی ہنس دیتا۔ اب بھی ہنس دیا۔ وہ چلی گئی اور گھر خاموش ہو گیا' حالانکہ وہ تو اتنا بولتی بھی نہیں تھی' خاموشی ساتھ لاتی تھی' خاموشی چھوڑ جاتی تھی۔
حنین واپس آئی تو اس کا چہرہ گلنار ہو رہا تھا۔ بڑی فرصت سے اس نے پلیٹ اٹھائی' اور کچن میں چلی گئی۔
کچھ دیر بعد فارس جب ان کو خدا حافظ کہہ کر باہر نکلا تو گاڑی میں بیٹھتے ہی بیگ پچھلی سیٹ پہ پھینکا' ڈیش بورڈ کا خانہ کھولا' ادھر ادھر چیزیں پلٹیں۔ پھر وہ مل گیا۔ فوٹو کاپی شدہ نوٹس۔
وہ اسے اٹھائے باہر نکلا' سڑک کنارے ایک کوڑے کے بڑے سے ڈبے کے اوپر کھڑے ہو کر' دونوں ہاتھوں میں اسے پکڑتے اس کے چار ٹکڑے کیے اور اندر پھینک دیا۔ پھر دور آسمان کو دیکھتے ہوئے گہری سانس لی۔
"اب منہ سے نکل جائے کچھ تو بندہ کیا کرے؟"
شانے اچکا کر وہ واپس ہو لیا۔

☆ ☆ ☆

کاردار ز کا قصر اپنی پوری آب و تاب سے اس سبزہ زار پہ کھڑا تھا' لان میں باوردی ملازموں کی آمد و رفت جاری تھی۔ سارے بقیہ ماندہ کام جلدی جلدی نمٹائے جا رہے تھے۔ شادی میں دن نہ ہونے کے برابر رہ گئے تھے۔
سعدی یوسف نے مین ڈور کے سامنے کھڑے ہو کر چند گہرے گہرے سانس لیے۔
"ایک آدمی — مروت میں پیشکش کرے اور میں فوراً" سے پہنچ جاؤں کیا یہ اچھا لگتا ہے؟" ابھی جب وہ فارس سے ملا تھا تو اس نے پوچھا تھا۔
"اچھا لگتا ہو یا برا' میں نکل رہا ہوں اب تم ادھر بیٹھ کر ٹی وی دیکھو' دیواروں سے باتیں کرو یا ہاشم سے مل آؤ' تمہاری مرضی۔" وہ چابی اور والٹ اٹھاتے ہوئے بولا تو سعدی نے تندی سے اسے دیکھا۔
"ایسا سلوک کرتا ہے کوئی مہمان کے ساتھ؟"
"مہمان کون؟" فارس نے سر اٹھا کر واقعی تعجب سے پوچھا۔
"چھوڑیں یار...." وہ بددل ہوا۔ "اچھا آپ جائیں مگر.... وہ جو مجھے پہچانے ہی نہ تو؟"

"تو.... ہاشم کبھی کچھ بھولتا ہے؟" فارس نے سر جھٹکا۔ اس کے انداز پہ سعدی نے غور سے اسے دیکھا۔

"آپ کی اپنے کزن سے نہیں بنتی کیا؟ اس دن بھی آپ نے ان سے کوئی بات نہیں کی تھی۔"

"دیکھو یار...." فارس نے ہاتھ اٹھا کر دوٹوک۔ کہنا شروع کیا۔ "وہ ہو گا اچھا آدمی' میرا سارا ننھیال ہو گا اچھا' مگر وہ میرے جیسے لوگ نہیں ہیں۔ ہم تم تو ڈرائیور ہوٹل پہ ماش کی دال کھا کر' میٹھی چائے پی کر وہیں چارپائی پہ لمبے لیٹ جانے والے بندے ہیں۔ مگر یہ اور طرح کے لوگ ہیں۔ ممی ڈیڈی ٹائپ۔ میں ان سے کبھی گھل مل نہیں سکا نہ سکتا ہوں۔ اب تم جا رہے ہو یا تمہیں اندر لاک کر جاؤں؟"

اور وہ اب دروازے کے سامنے کھڑا تھا۔ بجایا بھی نہیں۔ تھا' مگر اندر سے جیسے اسے دیکھ لیا گیا تھا۔ دروازہ کھلا اور فلپائنی ملازمہ **میری اینجیو** مسکراتی ہوئی کھڑی تھی۔

"گڈ ایوننگ۔"

"**تھینکس**.... میں آ.... ہاشم گھر پہ ہیں؟" ماموں کے کزن کو کیا کہہ کر پکارنا چاہیے' سمجھ میں نہیں آیا۔

"اور آپ کون؟"

"میں سعدی ہوں' اصل میں انہوں نے کہا تھا کہ ۔"

"سعدی یوسف خان' فارس صاحب کے بھانجے؟ مسٹر کاردار نے آپ کے بارے میں اطلاع کر دی تھی' اگر وہ نہ ہوتے تو ان کے احکام کے مطابق میں آپ کو اسٹڈی میں لے جاتی' لیکن چونکہ وہ ہیں' اس لیے آپ ادھر آجائیے۔"

میری نے اتنی خوش خلقی سے مسکراتے ہوئے ادب سے اندر آنے کا اشارہ کیا کہ وہ واقعی حیران ہوا۔ بہرحال اس کا اعتماد بڑھا۔ وہ اندر آیا۔ نگاہیں گھما کر اونچے اور عالیشان لونگ روم کا جائزہ لیا' اور پھر جو کہتا ہے کہ اسے خوب صورتی متوجہ نہیں کرتی' وہ اس دنیا کا سب سے بڑا جھوٹا ہے اور متاثر تو وہ بھی ہوا۔ (کتنا بڑا اور پیارا گھر ہے) مگر اتنا کہ 'اللہ ان کو نصیب کرے۔ آمین اور بس۔

میری کے عقب میں قدم اٹھاتا وہ لاؤنج کے وسط میں آیا۔ ایک لمبے سے چیز لونگ کے کنارے پہ' ٹانگ پہ ٹانگ جمائے' مگ سے گھونٹ بھرتی وہ بیٹھی تھی جو یہاں کی مالکن لگتی تھی۔ سیدھے بھورے بال' گوری نازک' ہاشم کی سی سیاہ آنکھیں۔ دو انگلیوں سے لاکٹ میں پرویا پتھر چھیڑتی۔ آہٹ پہ سر اٹھایا' مسکرائی اور سوالیہ نظروں سے میری کو دیکھا۔

"ہاشم صاحب کے مہمان ہیں یہ۔ بیٹھیے میں ان کو اطلاع کرتی ہوں۔" وہ سیڑھیوں کے لیے مڑی تو جواہرات نے مسکراتے ہوئے سعدی کو دیکھا۔ البتہ آنکھیں بالکل سرد تھیں۔

"میں فارس کا بھانجا ہوں' سعدی یوسف۔" وہ ذرا سنجیدگی سے بولا۔ اپنے یہاں آنے کے فیصلے پہ پھر سے سوچا' کہیں غلطی تو نہیں کی؟

"آئی سی!" جواہرات نے اثبات میں سر ہلایا۔ تاثرات نہیں بدلے۔

میری ابھی سیڑھیوں کے وسط میں تھی جب ہاشم کمرے سے نکلتا دکھائی دیا۔ عجلت میں کوٹ پہنتا' سعدی کو دیکھ کر مسکراتے ہوئے وہ زینے اترنے لگا۔

"مجھے خوشی ہے کہ تم آئے ہو۔"

"آپ شاید جلدی میں ہیں' ہاشم بھائی!" بس یہی منہ سے نکلا اور یہی طے ہو گیا۔

ہاشم اتر آیا تھا۔ مسکرا کر اس کا شانہ تھپکا۔

"میں واقعی جلدی میں ہوں اور مجھے واقعی بہت ضروری کام ہے' مگر تمہیں میں اپنی اسٹڈی دکھانا چاہوں گا اور یہ میں اپنی خوشی کے لیے کر رہا ہوں۔" پھر ماں کو دیکھا۔

"کیا تعارف ہو چکے؟" اپنے سوال کا جواب خود ہی سمجھ کر "آؤ" کہتا اسے اوپر لے آیا۔ سیڑھیوں کے اختتام پہ پہنچ کر سعدی نے نگاہ موڑی۔

نیچے جواہرات ہنوز اسے دیکھ رہی تھی۔ وہ اس کے آنے پہ خوش ہے یا غصے میں ہے' اس کے تاثرات یہ

بنانے سے قاصر تھے۔ وہ سر جھٹک کر ہاشم کے پیچھے ہو لیا۔

وہ وسیع اور طویل اسٹڈی تھی۔ کتابوں کے سلائیڈنگ ریکس' ان کے پیچھے مزید ریکس۔ شیلف' ٹیبلز' سعدی نے ستائش سے آگے پیچھے گردن گھمائی۔

"واؤ۔ آپ تو واقعی پڑھنے والے آدمی لگتے ہیں۔" ہاشم کا دوستانہ رویہ' اس کو مزید پُراعتماد کر رہا تھا۔ اس کی بات پہ ہاشم ہنس دیا۔

"تم آج کی شام میری کتابوں کے نام کرو۔ مجھے ایک کال کرنی ہے' پھر نکلنے سے قبل میں خدا حافظ کرنے آؤں گا' مگر تم کھانا کھائے بغیر نہیں جاؤ گے۔"

"نہیں' اٹس اوکے' میں....." وہ شرمندہ ہوا' مگر ہاشم مسکراتا ہوا پلٹ چکا تھا۔ ساتھ ہی وہ موبائل پہ نمبر بھی ڈائل کر رہا تھا۔ وہ ایسا ہی تھا۔ بہت اعتماد سے ایک ہی وقت بہت سے محاذوں کو نمٹانے والا۔

نیچے جواہرات مگ کے آخری گھونٹ بھر رہی تھی۔ سر اٹھا کر اس نے ہاشم کو اسٹڈی سے نکل کر اپنے کمرے میں جاتے دیکھا تو مگ رکھ کر کھڑی ہوئی۔ باریک ہیل سے چلتی وہ لاؤنج کے سرے پہ بنے اپنے کمرے تک آئی۔

اندر قد آدم آئینے کے سامنے کھڑے اورنگ زیب ٹائی کی ناٹ درست کر رہے تھے۔ ایک سوٹ میں ملبوس ملازم ان کے کوٹ کو کندھے سے ہلکا سا برش کر کے پیچھے ہو کر تنقیدی نگاہوں سے جائزہ لے رہا تھا۔

"کیا تم مجھے میرے شوہر کے ساتھ تنہا چھوڑو گے؟" مسکرا کر کہتی جواہرات آئینے کے ساتھ آ کھڑی ہوئی۔ ملازم سر ہلا کر "فوراً" سے باہر نکل گیا۔ کف لنکس اٹھاتے اورنگ زیب نے ایک ناپسندیدہ نظر اس پہ ڈالی۔

"کیا ہاشم تیار ہو گیا؟"

"پہلے وہ تمہارے بھانجے کے رشتے داروں کی خاطر مدارات تو کر لے۔ ویسے اس کام کے لیے کیا تم بہت نہیں تھے؟" مسکراہٹ ہنوز لبوں پہ تھی' مگر آنکھیں سلگ رہی تھیں۔

"فارس کے رشتے دار جب چاہیں ادھر آ سکتے ہیں۔ اس کو اس کی ماں کا جائز حصہ میں نے کبھی نہیں دیا تمہارے لیے' اب اور کیا چاہتی ہو؟"

"اور انیکسی؟"

"وہ اس کے حصے سے' بہت کم ہے' تم جانتی ہو۔" تلخی سے کہتے وہ ٹائی پن لگا رہے تھے۔

"تمہارے بس میں ہوتا تو تم اسے اور بھی بہت پچھ دے دیتے' مگر وہ خود ہی کچھ لینے میں انٹرسٹڈ نہیں۔"

"کتنا اچھا ہوا اگر تم اپنی شکل مجھے کم سے کم دکھایا کرو۔" وہ آئینے میں خود کو دیکھتے ماتھے پہ بل لیے بولے تھے۔ جواہرات کی مسکراہٹ ختم ہو چکی تھی۔ بمشکل اس نے ضبط کیا۔

"میں جا رہی تھی مگر تم سے مخاطب ہونے کی تکلیف میں نے صرف اس لیے اٹھائی کہ اگر ہم تینوں جا رہے ہیں تو فارس کا رشتہ دار میرے گھر میں اکیلا کیوں ہے؟"

"کیا تمہارا دوسرا بیٹا اپنے کمرے میں اپنی ناکامی کا سوگ نہیں منا رہا؟"

وہ جو میز سے پرس اٹھانے آئی تھی' رکی' جھپٹ کر پرس اٹھایا اور گھوم کر اس کے سامنے آئی۔

"اسے ناکام مت کہو اورنگ زیب۔ وہ اگر پہلے نمبر پہ نہیں آتا تو دوسرے نمبر سے نیچے بھی نہیں جاتا۔ اگر وہ اسٹین فورڈ یا ہارورڈ نہیں جا سکا' تب بھی تین بہترین یونیورسٹیز اسے اپروو کر چکی ہیں' اور ایک دفعہ تم اس کا ڈی این اے ٹیسٹ کیوں نہیں کرا لیتے تاکہ تمہیں بھی معلوم ہو جائے کہ وہ تمہارا ہی بیٹا ہے اور شاید پھر تم اس کی قدر کرنا شروع کر دو۔" شیرنی بپھر چکی تھی۔ اورنگ زیب اب کالر درست کر رہے تھے۔

"وہ میرا بیٹا ہے' مجھے عزیز ہے' اس لیے جہاں اسے دیکھنا چاہتا ہوں' وہ وہاں نہیں ہے' اچھا ہونا صرف ہاشم جیسا ہونا نہیں ہوتا۔ وہ فارس کی بہن کے بچے..... وہ مجھے زیادہ قابل لگے تھے۔"

جواہرات شعلہ بار آنکھوں سے انہیں گھورتی رہی

'پھر تیزی سے پلٹ گئی۔ باہر آکر اس نے مؤدب کھڑی میری کو روکا۔

"فارس کے رشتے دار کو چائے وغیرہ بھجوا دینا پھر رات کا کھانا کھلائے بغیر مت جانے دینا' اور اس پہ نظر بھی رکھنا۔" گہری نظروں سے گھور کر کہا۔ میری نے سرہلایا۔

اوپر ہاشم اپنے کمرے سے نکل کر اسٹڈی میں جاتا دکھائی دے رہا تھا۔

اندر سعدی ایک کرسی پہ بیٹھا' کسی کتاب کے صفحے پلٹ رہا تھا۔ وہ اتنا محو تھا کہ جب ہاشم اس کے قریب آیا تو بھی نہیں ہلا' بس پڑھتا رہا۔ ہاشم نے گردن ترچھی کر کے کتاب کا سرورق دیکھا۔

"یہ کہاں سے نکال لی تم نے؟ میں تو اسے بھول بھی چکا تھا۔"

سعدی چونکا' پھر اسے دیکھ کر جلدی سے کھڑا ہوا۔

"اوہ.... میرا خیال تھا آپ جا چکے ہیں۔ بلکہ آپ جائیے ہاشم بھائی' مجھے ورنہ لگے گا کہ میں آپ کو ڈسٹرب کر رہا ہوں۔"

ہاشم نے جواب دیے بنا کتاب اس کے ہاتھ سے لی' الٹی پلٹی۔ پہلے صفحے پہ قلم سے لکھا تھا۔ "ہاشم کاردار کے نام۔ شاید کبھی ضرورت پڑے فقط' محمد اولیٰ۔" وہ ہلکا سا مسکرایا۔

"محمد اولیٰ اور محمد ثانی' یہ دو جڑواں بھائی تھے میرے ساتھ لاء اسکول میں۔ محمد اولیٰ نے مجھے یہ کتاب دی تھی' وہ خود کسی ٹراما سے گزرا تھا تو اس کو شاید اس کتاب نے ٹھیک ہونے میں مدد کی تھی۔ واٹ ایور مجھے تو یاد بھی نہیں ٹھیک سے۔" وہ اس کی پشت کو پڑھنے لگا۔ "یہ تیرہویں صدی کے کسی مسلمان عالم کی لکھی گئی کتاب ہے۔ میں نے تب پڑھی تھی اچھی تھی' مگر اب بھول چکا ہوں۔ کیا تمہیں پسند آئی؟" اس نے چہرہ اٹھا کر سعدی کو دیکھا۔

"بہت زیادہ عجیب چارم ہے اس میں' جیسے میں شیخ کے زمانے میں واپس چلا گیا ہوں۔"

ہاشم نے کتاب میز پہ رکھی' جھک کر کھڑے ہوئے' قلم نکال کر پہلے صفحے پہ محمد اولیٰ کے دستخط تلے لکھا۔

"For the reading pleasure of saadi yousuf"

نیچے اپنے سائن کیے' تاریخ ڈالی اور کتاب بند کر کے اسے تھمائی۔

"پہلی دفعہ میرے پاس سے کوئی خالی ہاتھ نہیں جاتا۔"

"ارے.... تھینک یو.... مگر اس کی ضرورت نہیں تھی۔" وہ شرمندہ ہوا۔

"ضرورت مجھے بھی نہیں تھی' مگر تم ذہین لڑکے ہو' اور میں ذہین لوگوں سے متاثر نہیں ہوتا۔ میں صرف ذہین جمع محنتی لوگوں سے متاثر ہوتا ہوں' اور تم وہ بھی ہو۔ کھانا کھا کر جانا۔" کندھا تھپک کر' بالکل کسی بڑے بھائی کی طرح' وہ کوٹ کا بٹن بند کرتا مڑ گیا اور تیز تیز باہر نکل گیا۔

"کیا بندہ ہے۔" سعدی نے ستائش سے سوچا تھا۔

☼ ☼ ☼

میڈم رمشہ کے آفس میں خاموشی چھائی تھی۔ میز کے دونوں سروں پہ چائے کے کپ دھرے تھے۔ میڈم کی طرف والا تو آدھا خالی تھا' مگر زمر کی چائے بالائی کی تہہ تلے چھپی' ٹھنڈی ہو چکی تھی۔ وہ تنی ہوئی گردن اور اس سے زیادہ تنے ہوئے نقوش کے ساتھ سامنے بیٹھی خاتون کو دیکھ رہی تھی۔

"آپ کیا کہنا چاہ رہی ہیں' کھل کر کہیں زمر۔" انہوں نے بہت سکون سے کہا۔ زمر نے سر کو اثبات میں جنبش دی۔

"میں کھل کر بات کرنے ہی آئی تھی' کیوں کہ مجھے لگتا ہے مسز رمشہ بلگرامی کہ آپ نے میرٹ پہ اسکالرشپ دینے کے بجائے' ان امیدواروں کو دیے ہیں جن کے تعلیمی اداروں یا خود انہوں نے آپ کو اس کام کے لیے کمیشن دیا ہے اور مجھے ایسے مت دیکھیں' کیونکہ مجھے یقین ہے کہ ایسا ہی ہوا ہے اور میں زمر یوسف ہوں اس لیے میں کروں گی یہ کہ میں آپ کے

ادارے کے خلاف ایک چارج شیٹ تیار کروں گی اور پچھلے دس سال کے ریجیکٹ ہوئے امیدواروں کو تلاش کر کے سامنے لاؤں گی جن کا حق بالکل سعدی کی طرح مارا گیا تھا' اور میں ان کا موازنہ ان بچوں سے کروں گی جن کو آپ نے اسکالرشپ دیے ہیں اور نہ صرف یہ موازنہ میڈیا پہ آئے گا' بلکہ آپ کے اثاثوں اور بینک بیلنس کی تمام تفصیل سمیت میں کورٹ میں جاؤں گی' جس کے نتیجے میں آپ کو اپنی جاب چھوڑنی پڑے گی' آپ کا گھر' بچے سب متاثر ہوں گے' اس لیے آپ ہر اس بچے کا نام لسٹ سے خارج کریں جس کو ناجائز اسکالرشپ دیا گیا ہے۔"

وہ خاموش ہو کر' پیچھے ہوئی تو میڈم رمشہ نے سر ہلایا' تحمل سے جیسے ایک گہری سانس خارج کی اور اسی اطمینان سے اسے دیکھا۔

"آپ نے کہہ لیا زمر؟"

"اور اب میں آپ کے کہنے کی منتظر ہوں۔" اس کا لہجہ بے لچک تھا۔

میڈم رمشہ جھکیں' دراز سے ایک فائل نکالی' سیدھی ہو کر اس کے آگے رکھی اور بولیں۔ "اس کے پہلے صفحے پہ سعدی کا اکیڈمک ریکارڈ اور تمام کوائف ہیں اور اگلے صفحوں پہ ان پانچ بچوں کے' سے ایک نظر دیکھ لیجئے' اس کے بعد آپ جس کا نام کہیں گی' میں نکال کر سعدی کا ڈال دوں گی۔"

زمر نے تندی سے ان کو دیکھتے فائل اٹھائی' کھولی' اور پہلا صفحہ سامنے کیا۔ سعدی کے کوائف پڑھتے گردن مزید اونچی ہوئی' آنکھوں میں فخر در آیا' ابرو اٹھا کر ان کو جتاتی نظروں سے دیکھا اور پھر نگاہیں جھکا کر صفحہ پلٹا۔

تنے ہوئے تاثرات کے ساتھ وہ پڑھتی گئی۔ صفحے الٹتی گئی۔ آہستہ آہستہ نقوش ڈھیلے ہوئے' کندھے ذرا ڈھلکے' بھنویں خفگی مگر پسپائی سے بھینچیں۔ فائل ختم کر کے وہ کتنی ہی دیر اس کو دیکھتی' لب کاٹتی رہی۔

"اب ان میں سے کس کا نام آپ نکلوانا چاہتی ہیں زمر؟" انہوں نے نرمی سے پوچھا۔ زمر نے خاموشی سے ان کو دیکھا اور فائل آہستہ سے میز پہ ڈالی۔

"زمر! اپنے بچے ہم سب کو پیارے ہوتے ہیں' چاہے وہ پیارے نہ بھی ہوں۔ وہ ہم سب کو قابل لگتے ہیں' چاہے وہ قابل نہ بھی ہوں۔"

"آپ یہ کہہ رہی ہیں کہ سعدی مستحق نہیں تھا؟"

"میں یہ کہہ رہی ہوں کہ کچھ بچے سعدی سے زیادہ مستحق تھے۔"

زمر نے آنکھیں بند کر کے' کنپٹی مسلی۔ وہ بے حد تھکاوٹ کا شکار لگ رہی تھی۔

"آئی ایم سوری مگر اس سے زیادہ قابل اور غریب بچے تھے وہ پانچ۔ میری جگہ آپ ہوتیں تو آپ بھی یہی فیصلہ کرتیں۔"

زمر نے بند آنکھوں کے ساتھ اثبات میں سر ہلایا۔ ابھی کچھ دیر وہ آنکھیں نہیں کھولنا چاہتی تھی۔ خواب ٹوٹ چکا تھا' نیند کھل چکی تھی' مگر وہ کچھ اور دیر اسی خواب میں رہنا چاہتی تھی۔

"کیا اس نے کسی اور اسکالرشپ پروگرام میں اپلائی نہیں کیا؟"

زمر نے آنکھیں کھولیں۔ سارے خواب ہوا میں تحلیل ہو گئے۔ پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ اس نے نفی میں گردن ہلائی۔ "وہ کر چکا ہے' وہاں بھی نہیں ملا۔"

"آئی ایم سوری!" وہ افسوس سے اسے دیکھ رہی تھیں اور زمر بھی ان کو دیکھتی کچھ سوچ رہی تھی' ذہن منتشر تھا' سوچیں بھٹک رہی تھیں' مگر وہ نقطہ سامنے تھا جس پہ اسے پہنچنا تھا۔ ابھی نہیں تو کبھی نہیں۔

"مسز رمشہ! کیا آپ مجھے ایک فیور دیں گی؟"

☆ ☆ ☆

کتاب ہاتھ میں لیے وہ پڑھتے پڑھتے بالکونی میں جا بیٹھا تھا۔ باہر شام ابھی ہلکی نیلی تھی۔ دور تک پھیلا سبزہ زار اور وہاں سے نظر آتی فارس کی انیکسی۔ لائبریری کی بالکونی کے دائیں طرف ہاشم کی بالکونی

تھی اور اس کے مزید پرے ایک اور بالکونی۔ البتہ وہ ایک دوسرے سے جدا تھیں۔ کسی دوسری بالکونی تک جانے کے لیے آپ کو اندر سے ہی جانا پڑتا۔ سعدی اس سب سے بے خبر رہتا اگر اسے وہ آواز نہ آتی۔ ایسی آواز جیسے کوئی دم گھٹنے کی کیفیت میں کھانسنے کی کوشش کر رہا ہو۔

اس نے چونک کر سر اٹھایا' پھر ادھر ادھر دیکھا۔ ہاشم کی بالکونی سے پرے ایک دوسری بالکونی کے کمرے کو کھلتے دروازے پہ وہ بیٹھا تھا۔ گھٹنوں میں تقریباً" سر نیہواڑے' کھانستا' قے کرنے کی کوشش کرتا' وہ کم عمر نوجوان لگتا تھا۔ نہ وہ کمرے کے اندر تھا' نہ باہر نہ ہوش میں' نہ بے ہوش۔ درمیان میں تھا کہیں۔

کتاب پھینک کر وہ اندر بھاگا۔ لائبریری سے نکل کر ریلنگ کے اوپر آیا' بدحواسی سے ادھر ادھر دیکھا۔ پھر نیچے وہاں جواہرات کے صوفے پہ اسی کے انداز میں میری بیٹھی' مگ سے کافی پی رہی تھی۔ باقی سب سنسان پڑا تھا۔

"سنو اوپر آؤ جلدی۔" اس نے پکارا۔ میری گڑبڑا کر اٹھی' پھر سنبھل کر سیڑھیوں تک آئی۔ سعدی تب تک آگے جا کر ہاشم کے ساتھ والے کمرے کا ہینڈل گھمانے لگا تھا۔ وہ لاکڈ تھا۔

"کھانا تیار ہے' میں آپ کو بلانے ہی لگی تھی۔" وہ زینہ زینہ چڑھتی اوپر آئی۔

"اس کمرے میں کون ہے؟"

"آ..... یہ نوشیرواں ہیں مگر۔" وہ اسے دروازے سے زور آزمائی کرتے دیکھ کر رک گئی۔

"اسے کھولو..... وہ ٹھیک نہیں ہے۔" وہ اب دروازے کو دھکا دے رہا تھا۔

میری کی حیرت پہ غصہ غالب آنے لگا۔ وہ تیزی سے اس کے سامنے آگئی۔

"وہ آرام کر رہے ہیں اور ان کا حکم ہے کہ اس دوران اگر کسی نے ان کو تنگ کیا تو وہ بہت برے پیش آئیں گے۔ اس لیے بہتر ہے کہ آپ میرے ساتھ ڈائننگ ہال۔"

"اگر وہ لڑکا مر گیا تو تمہارے مالک تمہاری جان لینے میں کتنے سیکنڈ لگائیں گے' ہاں؟" وہ اس کی طرف مڑ کر اتنے غصے سے بولا کہ میری چپ ہو گئی۔

"اوکے' میں چابی لاتی ہوں' یہ ایسے نہیں کھلے گا۔"

وہ اب کے ذرا تیز رفتاری سے نیچے گئی۔ اس کے واپس آنے تک سعدی مسلسل دروازے کو زور زور سے ٹھڈے مار رہا تھا۔ چابی ملی تو وہ پیچھے ہوا۔ دروازہ کھلا تو بالکونی کا منظر دوسرے زاویے سے سامنے آیا۔ چوکھٹ پہ قریباً" اوندھا گرا لڑکا' منہ سے نکلتا جھاگ' حلق سے آتی عجیب آوازیں..... سعدی تیزی سے اس کی طرف لپکا" ہا!" میری کا منہ کھل گیا۔

"تم ٹھیک ہو؟ سنو' ادھر دیکھو۔" وہ جلدی جلدی لڑکے کو سیدھا کرتا' اسے جگانے کی کوشش کرنے لگا۔ اس کی رنگت متغیر ہو رہی تھی' آنکھیں کھل بند رہی تھیں۔

"تم فکر مت کرو' تم بالکل ٹھیک ہو جاؤ گے' ہم تمہیں ہاسپٹل لے جا رہے ہیں۔ تم سونا نہیں' جاگنے کی کوشش کرو۔"

اس کا چہرہ تھپتھپاتا وہ پریشانی کے عالم میں کہہ رہا تھا۔ نوشیرواں نے آدھ کھلی آنکھوں سے دھندلا سا منظر دیکھا۔ اس پہ جھکا لڑکا' چھوٹے گھنگریالے بال..... پریشان آواز..... اس کا ذہن تاریکی میں ڈوبتا گیا۔

"گاڑی تیار کرواؤ اور ملازموں کو ادھر بھیجو' اسے اٹھانا ہے۔ دیکھ کیا رہی ہو' جلدی کرو۔" وہ میری کو ہکا بکا کھڑے دیکھ کر چیخا تھا۔

"میں مسز کاردار....."

"ان کو بعد میں اطلاع کرنا' پہلے گاڑی نکلواؤ۔ جاؤ۔"

میری سٹپٹا کر باہر بھاگی۔ یہ سب اس کے لیے بہت اچانک اور غیر متوقع تھا۔

☆ ☆ ☆

لاؤنج میں ٹی وی مدھم آواز میں چل رہا تھا۔ بڑے

ابا عینک لگائے، صوفے پہ بیٹھے، اخبار پڑھ رہے تھے۔ زمر نے چائے کے دو کپ میز پہ رکھے اور خود سامنے جا بیٹھی۔ الائچی اور دار چینی کی مہک، انہوں نے عینک کے اوپر سے نگاہ اٹھا کر کپوں کو دیکھا اور پھر اسے۔

"مہینے کا آخر چل رہا ہے اور تم خود کماتی ہو، اس لیے دو تین ہزار سے اوپر مانگنے کا سوچنا بھی مت۔" دوبارہ سے پڑھتے پڑھتے اطلاع دی۔

"میں کچھ اور مانگنے آئی ہوں۔" اپنا کپ لے کر اس نے ٹیک لگائی، پھر گھونٹ بھرتے ہوئے بڑے ابا کو دیکھنے لگی۔

"اور اس وقت آئی ہو جب تمہاری ماں گھر پہ نہیں ہے اس لیے اگر موضوع گفتگو ندرت کے رشتے دار کی شادی میں جانا ہے تو بھی صاف انکار ہے۔"

"آپ نے نئے ایئرپورٹ کے قریب، جو عرصہ ہوا پلاٹ لے رکھا تھا میرے نام سے، اس کے کاغذات آپ کے پاس ہیں؟" جتنی سنجیدگی سے اس نے پوچھا، وہ اتنے ہی چونکے۔ عینک اتاری، اخبار رکھا اور اچنبھے سے اسے دیکھا۔

"کیوں نہیں ہوں گے؟ وہ پلاٹ میری ساری زندگی کی کمائی ہے۔ تمہارے اور زلفی کے نام جو تھوڑا بہت جوڑا تھا، اس میں سے زلفی نے اپنا حصہ اپنی نوکری کے دوران ہی لے لیا تھا، کاروبار میں بھی لگایا اس نے، مگر کاروبار میں تو پیشانی کا لکھا چلتا ہے، اس کا پیسہ کم ہوا، بڑھا نہیں۔ تمہارے حصے سے یہ پلاٹ میں نے ان وقتوں میں خریدا تھا اور اب وہ اچھا خاصا مہنگا ہو چکا ہے۔ اس کو بیچ کر میں تمہاری شادی کروں گا، اور بہت دھوم دھام سے کروں گا۔"

"مگر فی الحال تو.... میری شادی کا کوئی سلسلہ نہیں چل رہا۔"

"مگر جلد چلے گا۔ کچھ تمہاری پڑھائی، کچھ اس کم عمری میں ٹوٹی منگنی کے باعث، ہم زیادہ ہی پروٹیکٹو ہو گئے تھے، ورنہ تمہاری شادی میں کر بھی چکا ہوتا۔ اب بھی رشتے دیکھ رہا ہوں، مگر.... زمر! تم بے وجہ ایسے ذکر نہیں چھیڑا کرتیں.... تو؟" سوالیہ ابرو اٹھائی۔

زمر چند لمحے بالکل خاموشی سے ان کو دیکھتی رہی۔ خاموشی، دنیا کا سب سے بڑا اقرار، سب سے بڑی سزا۔

"ابا.... سعدی کو اسکالرشپ نہیں ملا۔"

وہ بالکل چپ ہو گئے۔ آنکھوں میں رنج و ملال ابھرا۔

"انا للہ.... مگر شاید کسی اور جگہ سے۔"

"اب وقت نہیں ہے، وہ نہیں پڑھنے جا سکتا ماسوائے اس کے...." وہ رکی ایک وقفہ دیا، مگر ابا کی آنکھوں سے نگاہ نہیں ہٹائی۔ "کہ ہم اس کی فیس بھر دیں۔"

"مگر ہم اتنی مہنگی یونیورسٹی افورڈ نہیں۔" الفاظ لبوں میں ٹوٹ گئے۔ وہ ایک دم شاکڈ سے اس کو دیکھنے لگے۔ "ایک منٹ.... تم کہہ رہی ہو کہ...."

"میں بالکل یہی کہہ رہی ہوں۔ ہم وہ پلاٹ بیچ دیتے ہیں۔"

"ہرگز نہیں۔" شاک کی جگہ غصے نے لے لی۔ "وہ میری ساری زندگی کی کمائی ہے، وہ تمہارا حق ہے، تمہاری شادی، زیور، سب اس سے بنے گا، اور بقیہ رقم تمہارا بینک بیلنس ہوگی۔ وہ تمہارا فیوچر ہے۔"

"سعدی ہمارا فیوچر ہے۔"

"پانچ سال کی پڑھائی، ہر سال کی لاکھوں روپے کی فیس.... نہیں زمر! میں یہ نہیں کر سکتا۔"

"یعنی آپ کو سعدی سے بالکل محبت نہیں ہے؟"

"مجھے ایموشنل بلیک میل مت کرو، یہ حربے مجھ پہ اثر نہیں کرتے۔" وہ تلخی سے اس کی بات کاٹ کر بولے۔ "مجھے وہ بہت پیارا ہے، اصل سے سود زیادہ پیارا ہوتا ہے، مگر مجھے حنین اور اسامہ بھی پیارے ہیں اور سب سے بڑھ کر، مجھے تم پیاری ہو۔ میں ندرت کے گھر کا آدھے سے زیادہ خرچا اٹھاتا ہوں، کل کو حنین بڑی ہو گی، اور پھر تمہاری شادی، جس وجہ سے ایک دفعہ شادی ٹوٹی، وہ دوبارہ نہیں دہرا سکتا میں۔"

"میری فکر مت کریں۔"

"تمہارے کہنے سے میں فکر کرنا چھوڑ تو نہیں سکتا میں باقی سب کو نظر انداز کر کے سارا پیسہ سعدی پہ

خرچ نہیں کر سکتا۔" کیونکہ اگر اسے پتا چلا کہ پیسے آپ دے رہے ہیں تو وہ کبھی نہیں لے گا۔"

"جب وہ پڑھ کر آئے گا تو اتنی اچھی جاب ملے گی اسے کہ چند سال میں سب بنا لے گا۔ پھر میں بھی تو کماتی ہوں۔" وہ بہت سکون سے کہہ رہی تھی۔

"لعنت ہے مجھ پہ اگر میں اپنی بیٹی کو پیسہ کمانے کے لیے ضائع کردوں۔"

"اور اگر یو نا ضائع کر دیا تو؟" وہ لمحے بھر کو چپ ہوئے، مگر دلائل ختم نہیں ہوئے تھے۔

"وہ پاکستان میں بھی تو پڑھ سکتا ہے۔" زمر بہت بے زار ہوئی۔

"ابا! یہ بات مت کیجئے گا دوبارہ، کسی لوکل یونیورسٹی اور یونیورسٹی آف لیڈز سے پڑھنے میں کتنا فرق ہے ہم دونوں جانتے ہیں۔"

"وہ پیسہ ہماری سیکیورٹی ہے۔"

"سعدی ہماری سیکیورٹی ہے۔"

بڑے ابا نے جھنجلاہٹ سے اسے دیکھا، اب کے ان کی آنکھوں میں گہرا رنج تھا۔

"زمر! مت کرو اپنے ساتھ ایسا۔ وہ پیسہ تمہارا حق ہے۔ میں تمہاری خوشیوں کا راستہ خراب کر کے سعدی کا کیریئر نہیں بنا سکتا۔"

"دولت کسی شادی کی ضمانت ہوتی تو سب سے زیادہ خوش بادشاہوں کی بیٹیاں ہوتیں اور پتا ہے ابا سب سے زیادہ ناخوش شاہزادیاں ہی رہتی ہیں۔"

بڑے ابا نے تھک کر کپ اٹھایا۔ ان کی چائے ٹھنڈی ہو چکی تھی۔ الائچی، دار چینی کی مہک سب زائل ہو چکا تھا۔

"میں نہیں چاہتا۔ تم کل کو اس بات پہ پچھتاؤ۔"

"کیا آپ کبھی مجھ پہ خرچ کر کے پچھتائے ہیں۔"

وہ اداسی سے مسکرائی۔ انہوں نے نفی میں گردن کو جنبش دی۔

"کبھی بھی نہیں، مگر میرا دل نہیں مانتا اور سعدی بھی تو نہیں مانے گا۔"

"اسے کون بتائے گا؟ میں نے میم رمشہ سے بات کرلی ہے، وہ یہی سمجھے گا کہ وہ اسکالرشپ پہ جا رہا ہے

"میں نہیں دے رہا، تم دینا چاہ رہی ہو، مگر میں تمہیں اس کی اجازت نہیں دوں گا بالکل بھی نہیں۔"

وہ پھر سے مزاحمت کرنے لگے تھے۔ زمر نے آخری گھونٹ پیا، کپ میز پہ رکھا، ہاتھ گویا جھاڑ کر کھڑی ہوئی۔

"ایسا ہے یور آنر کہ بات شروع کرنے سے پہلے میں نے پوچھا تھا کہ آپ کے پاس کاغذات ہیں یا نہیں تو جناب وہ کاغذات اب آپ کے سیف میں نہیں ہیں۔ وہ میرے پاس ہیں اور میں پراپرٹی ڈیلر سے پہلے ہی بات کر چکی ہوں اس لیے اگر آپ نے مجھے روکنے کی کوشش کی تو میں آپ پہ مقدمہ کر سکتی ہوں اور کم از کم میرے حلقۂ احباب میں تو کوئی اچھا وکیل میرے خلاف آپ کا کیس لڑے گا نہیں اور اگر کوئی مل بھی گیا آپ کو تو کم از کم اگلے سات سال تو میں آپ کو کورٹ کے چکر ضرور لگواؤں گی اس لیے فی الحال آپ کے پاس میری بات ماننے کے سوا کوئی آپشن نہیں ہے۔"

اور بہت ملال میں گھرے بڑے ابا ہولے سے ہنس دیے، مگر پھر ملال لوٹ آیا، وہ چائے کے برتن اٹھا کر واپس جا رہی تھی۔ انہوں نے اسے پکارا۔

"اس سے اتنی محبت نہ کیا کرو، اللہ ورنہ بہت آزمائشیں ڈال دیتا ہے۔"

زمر گہری سانس لے کر پلٹی اور ان کو دیکھتے ہوئے رسان سے بولی۔

"عمر بن خطاب نے فرمایا تھا "محبت پہ انسان کا اختیار نہیں ہوتا۔" یہ میرے بس میں نہیں ہے، ابا۔" وہ آزردگی سے مسکرا کر کہتی وہاں سے چلی گئی۔

وہ فکر مند اور پریشان بیٹھے رہ گئے۔ ان کو آج احساس ہو رہا تھا کہ اس کی شادی میں غیر ضروری دیر کر کے انہوں نے غلطی کر دی۔ ان کو ایسے نہیں کرنا چاہیے تھا۔

☆ ☆ ☆

اسپتال کی مرمریں راہداری میں ہیل سے بھاگتے

قدموں کی آواز پہ سعدی نے سر اٹھایا۔ جواہرات' اپنے شوہر کے آگے تیز تیز آرہی تھی۔ اپنے سارے میک اپ اور تیاری کے باوجود اس کا سفید پڑا پریشان چہرہ کسی سے چھپا نہیں تھا۔ سعدی کے پاس وہ رکی 'متوحش نظروں سے بند دروازے کو دیکھا اور پھر اسے۔

"شیرو کیسا ہے؟"

"وہ ٹھیک ہے۔"

"ہاشم کہاں ہے؟" اورنگ زیب قریب آئے۔

سعدی نے کمرے کی طرف اشارہ کیا۔ "وہ اندر ہیں' آپ کے چھوٹے بیٹے کو ہوش آگیا ہے' اس کو فوڈ پوائزننگ ہوگئی تھی۔"

اورنگ زیب آگے بڑھ گئے' مگر جواہرات وہیں کھڑی مضطرب' سلگتی نظروں سے دیکھ رہی تھی۔

"کیا ہوا تھا شیرو کو؟"

سعدی نے ایک نظر اورنگ زیب پہ ڈالی جو کمرے کا دروازہ کھول رہے تھے۔

"میرے سوال نظرانداز نہیں کیے جاتے جو بھی نام ہے تمہارا۔" وہ دبی دبی سی غرائی تھی۔ "میں اپنا اکیلا گھر تمہارے اوپر چھوڑ کر گئی تھی اگر میرے بیٹے کی اس حالت کے ذمہ دار تم ہو تو تم بھگتو گے۔"

"مسز کاردار! آپ کے اکیلے گھر کے ڈھائی درجن ملازمین اس بات کے گواہ ہیں کہ آپ کے بیٹے کی طبیعت خراب تھی اور میں اسے صرف اسپتال لانے کا قصوروار ہوں۔" وہ شام میں اسے ملنے والے لڑکے سے زیادہ سنجیدہ اور سمجھ دار لگ رہا تھا' مگر جواہرات کے تنے تاثرات ہنوز ویسے تھے۔

"کس قسم کی چیز سے فوڈ پوائزننگ ہوئی اسے؟" وہ مشتبہ' غصے بھری نظروں سے اسے دیکھتے پھر سے غرائی۔ "اس نے دوپہر کو وہی کھایا جو ہم سب نے کھایا تھا۔"

"اسے فوڈ پوائزننگ نہیں ہوئی۔"

جواہرات کی آنکھیں تحیر سے پھیلیں۔ "کیا مطلب؟ تم نے ابھی کہا۔۔۔"

"میں نہیں چاہتا تھا کہ کاردار صاحب کو یہ بات اس سے پہلی دفعہ ملنے سے پہلے پتا چلے۔" جیب سے ایک پیکٹ نکال کر اس کے سامنے کیا۔ "یہ ڈرگز مجھے اس کے پاس سے ملی تھیں اور خالی سگریٹ بھی۔ آپ کے بیٹے نے منشیات کی اوور ڈوز لے لی تھی' جس سے اس کی جان بھی جا سکتی تھی۔"

جواہرات کی حالت یوں ہوگئی جیسے سانپ نے ڈنک مار دیا ہو۔ سفید چہرے اور پھٹی پھٹی نگاہوں سے اس نے سعدی کے چہرے سے ہاتھ میں پکڑے پیکٹ تک کا سفر کیا۔

"تم۔۔۔ تم یہ کہہ رہے ہو کہ میرا بیٹا۔۔۔ ایڈکٹ ہے؟"

"صرف میں نہیں' ڈاکٹر نے بھی یہی بتایا ہے۔ یقیناً وہ کچھ عرصے سے ڈرگز لے رہا تھا۔"

جواہرات نے بولنے کی کوشش کی' مگر سارے الفاظ حلق میں کانٹے بن کر اٹک گئے۔ اس کا اندر باہر زخمی ہوگیا آنکھوں میں نمی اتری' مگر وہ بے یقینی سے نفی میں سر ہلا رہی تھی۔

"میرا بیٹا۔۔۔ وہ چوبیس گھنٹے میرے سامنے رہتا ہے' مجھے کبھی کیوں نہیں لگا کہ وہ ڈرگز لیتا ہے؟"

"آج کل کے لڑکوں کو پتا ہوتا ہے کہ انہیں کتنی مقدار لینی ہے اور بہت مہارت سے وہ یہ فن سیکھ جاتے ہیں کہ انہیں لوگوں کے درمیان ہوتے ہوئے بھی خود کو نارمل کیسے ظاہر کرنا ہے اور پھر ساتھ بیٹھے شخص کو بھی علم نہیں ہو سکتا کہ یہ لڑکا منشیات کے زیر اثر بیٹھا ہے۔ یہ بھی ڈاکٹر نے کہا ہے۔"

جواہرات نے ہلکا سا اثبات میں سر ہلایا۔ تنے تاثرات ڈھیلے پڑ گئے تھے۔ کندھے بھی ڈھلک چکے تھے۔

"مگر وہ زندہ ہے مسز کاردار! اور زندگی سے اہم کوئی نعمت نہیں ہوتی۔ اس کو محبت سے سمجھائیے گا وہ پلٹ آئے گا۔ آپ نے سنا تو ہوگا کہ amor vincit omnia۔۔۔ (محبت فاتح عالم)۔ مجھے گھر جانا ہے' چلتا ہوں۔" وہ کہہ کر مڑنے لگا

توجواہرات تیزی سے اس کی طرف گھومی۔

"کیا تم.... اس سے ملو گے نہیں؟"

"اس کی فیملی اس کے پاس ہے اور میری فیملی میرا انتظار کر رہی ہو گی۔"

وہ ذرا سا مسکرا کر کہتا پلٹ گیا۔ جواہرات یک ٹک کھڑی اسے دور جاتے دیکھتی رہی.... جب وہ نظروں سے غائب ہو گیا تو وہ تیزی سے پرائیویٹ روم کے دروازے تک آئی۔

☆ ☆ ☆

شام کا آسمان ہلکا سرمئی تھا۔ سورج نے بادلوں کے نارنجی کناروں کو دہکا رکھا تھا اور لائبریری کی کھڑکی اس منظر کو واضح دکھا رہی تھی' اندر ایک کونے میں لمبی میز بچھی تھی۔ ایک سرے پہ تین لڑکیاں بیٹھی کتابوں میں مگن تھیں دوسرے سرے پہ دو متصل کرسیوں پہ وہ دونوں بیٹھے تھے۔ زمر سر جھکائے گردن ترچھی کیے کاغذ پہ کچھ لکھ رہی تھی اور فارس قریب بیٹھا بور سا ہو کر ادھر ادھر دیکھ رہا تھا۔

"چلیں' یہ ٹاپک تو ختم ہوا۔ سب کلیئر تھا نا؟" آخری لفظ لکھ کر صفحہ اس کے سامنے کرتے ادھر زمر نے سر اٹھایا' ادھر فارس نے فوراً" سنجیدہ (اور سیدھے) ہوتے بہت توجہ سے اس کاغذ کو پڑھا۔

"جی' بالکل۔"

"اوکے۔ اب آگے چلتے ہیں۔" وہ نوٹس کے صفحے پلٹ کر اگلے موضوع پہ آئی پھر قلم والے ہاتھ کو عادتاً" ہلاتی' روانی سے سمجھانے لگی۔ فارس نوٹس کو دیکھتا ذرا ذرا دیر بعد سر اثبات میں ہلا دیتا۔ براہ راست اس کے چہرے پہ صرف دو ایک بار نگاہ ڈال سکا پھر سر جھکا لیا۔

زمر کا فون بجا تو وہ رکی' نمبر دیکھا اور موبائل کان سے لگایا۔

"جی سر! میں نے ہی وہ شیٹ آپ کو بھجوائی تھی۔" وہ رک کر سننے لگی۔ "جی بالکل' میں نے تمام اسٹوڈنٹس کی حاضری درج کی ہے سوائے حبیبہ وقار کے۔ میں نے دانستہ طور پہ اس کا خانہ خالی چھوڑا ہے۔" وہ گھنگھریالی لٹ کو انگلی پہ رول کرتی کہہ رہی تھی۔ فارس نے ترچھی نگاہ اٹھا کر اسے دیکھا اور پھر کھڑکی کے باہر دیکھنے لگا۔

"سر! صاف بات ہے' امتحان میں بیٹھنے کے لیے ساٹھ فیصد حاضری ضروری ہے اور اس بچی کی حاضری چالیس فیصد ہے' مگر چونکہ وہ ڈاکٹر طاہر اکرم کی بھانجی ہے' اس لیے ڈاکٹر صاحب نے مجھے کال کر کے اس چالیس کو ساٹھ بنانے کا کہا ہے سو میں نے یہ خانہ خالی چھوڑ دیا ہے کیونکہ میرا قلم تو اس کو ساٹھ نہیں کرے گا۔ آگے آپ کی مرضی' آپ اس کو ساٹھ کریں یا نوے۔ میں بری الذمہ ہوں۔"

سادگی سے ساری بات کہہ کر وہ ان کی سننے لگی۔ پھر الوداعی کلمات کہہ کر فون رکھا اور کتاب کی طرف متوجہ ہوئی۔

"خیریت' میم؟"

زمر نے جھکے چہرے کے ساتھ ذرا مسکرا کر سر جھٹکا۔ "ہوں۔ یہ سب تو چلتا رہتا ہے۔ کوئی بھی نوکری پھولوں کی سیج نہیں ہوتی۔" وہ کتاب دوبارہ کھولنے لگی۔ فارس نے اب کے ذرا غور سے اس کے چہرے کو دیکھا۔

"ایک بات پوچھوں؟" زمر نے سوالیہ نظریں اٹھائیں تو وہ کندھے ذرا اچکا کر ٹھوڑی سے شہادت کی انگلی اور انگوٹھے میں عادتاً" ذرا ذرا نوچتا بولا۔

"یونہی خیال آ گیا۔ اس دن جو آپ نے کیا سعدی کے گھر.... جان کر چابیاں بھولنا...."

زمر کے لیے یہ جملہ غیر متوقع تھا۔ وہ لمحہ بھر کو بالکل دھک سے رہ گئی' پھر چہرے پہ سرخی سمٹ آئی۔ سر جھٹک کر اس نے کچھ کہنا چاہا پھر خود ہی رک گئی۔ چند ثانیے خاموشی میں گزر گئے۔ اگر وہ جان چکا تھا تو یہ زمر کی عادت نہیں تھی کہ وہ انکار کرتی۔

"مجھے نہیں پتا' آپ کو سعدی کتنا عزیز ہے' مگر ہمارے لیے وہ خاندان کا پہلا بچہ تھا اور بچے برابر پیارے ہوتے ہیں' مگر جو توجہ پہلے کو ملتی ہے وہ دوسروں کے آنے تک ہم اس مقدار میں دینے سے

قاصر ہو چکے ہوتے ہیں۔ اسامہ چھوٹا ہے ٗمگر حنین..... وہ میرے ہر وقت صرف "ہمارا سعدی ٗہمارا سعدی" کرتے رہنے سے مجھ سے کافی Shy (شرمائی) رہنے لگی ہے۔ عرصہ پہلے میں واقعی کچھ بھول گئی تھی ایک دو دفعہ ٗلیکن بعد میں مجھے پتا چلا کہ وہ ہر دفعہ کھڑکی میں میرا انتظار کرنے لگی ہے۔ وہ بہت ذہین ہے اور دنیا ذہین لوگوں کو تنہا کر دیتی ہے۔ اسے ہمیشہ مجھ سے امید ہوتی ہے کہ میں اسے تنہا نہیں چھوڑوں گی ٗسو میں خود اسے ہر دفعہ یہ امید نئے سرے سے تھما آتی ہوں۔"

قدرے توقف سے وہ سنجیدگی سے بولی۔

"ہو سکتا ہے آپ کو یہ غلط لگے ٗمگر میرے نزدیک کسی عزیز شخص کو اپنے قریب رکھنے کے لیے کوئی بہانا کرنے میں کوئی برائی نہیں۔"

فارس نے بے اختیار ان تازہ فوٹو کاپی شدہ نوٹس کو دیکھا اور پھر زمر کو۔ "بالکل ٗ میرے نزدیک بھی نہیں۔"

وہ اسی سنجیدگی سے ادھورا چھوڑا موضوع واپس کھولنے لگی۔ قدرے توقف کے بعد فارس ذرا کھنکھارا۔

"بتانے کا شکریہ۔ حنین کو نہیں بتاؤں گا۔ سیریسلی۔"

زمر نے صرف ایک کڑی نگاہ اٹھا کر اسے دیکھا۔

"مجھے اس بات کی بالکل فکر نہیں ٗکیونکہ اتنا تو آپ کو پتا ہونا چاہیے کہ میرا اعتبار توڑ کر آپ کبھی بھی بچ نہیں سکتے۔" پھر نوٹس اس کے سامنے رکھے اور سلسلۂ کلام وہیں سے جوڑ لیا جہاں سے توڑا تھا۔

فارس اپنے چہرے پہ زمانے بھر کی بوریت سجائے خاموشی سے سنتا رہا۔

☆ ☆ ☆

مسز رمشہ کے آفس میں ایک دفعہ پھر چائے کے دو کپ میز کے مخالف کناروں پہ رکھے تھے۔ اس دفعہ سعدی کی طرف والا کپ آدھا خالی تھا اور مسز رمشہ کا ان چھوا۔ وہ ساری بات سعدی کو بتا کر اب بالکل خاموشی سے اس کا ردعمل دیکھ رہی تھیں۔

وہ ابھی سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ "آپ یہ کہہ رہی ہیں میم! کہ آپ نے میرے ڈاکومنٹس ایک پرائیویٹ اسپانسر کو بھجوائے ہیں اور انہوں نے مجھے اسپانسر کرنے کی ہامی بھر لی ہے؟ اور وہ ہر سال میری فیس جمع کرواتے رہیں گے؟" وہ واقعی بے یقین تھا۔

"فیس جمع اخراجات جتنی رقم ہم دے رہے تھے وہی رقم وہ دیں گے۔"

"آ..... تھینک یو..... مجھے نہیں پتا مجھے کیا کہنا چاہیے۔" وہ خوش تھا اور خوشی اتنی تھی کہ اس میں ٹھیک سے کوئی تاثر بھی نہیں دے پا رہا تھا۔ "مگر وہ ہیں کون؟"

میڈم نے خاموشی سے سامنے رکھے ڈیکور باسکٹ میں سے ایک کرسٹل بال نکالی اور اسے انگلیوں میں گھماتے ہوئے ٗنظریں سعدی کے چہرے سے ہٹائے بنا بولیں۔

"ہے کوئی جس کا دل بہت امیر ہے اور آپ یہ خرچ کرنے کو پیسہ بھی بہت ہے۔" پھر ذرا سنبھل کر گویا ہوئیں۔ "ایک چیریٹی بزنس مین ہیں ٗ بہت سے اسٹوڈنٹس کو پرائیویٹ طور پر اسپانسر کرتے ہیں ٗآپ کے کوائف ان کو اچھے لگے اور سب سے اچھی یہ بات لگی کہ آپ نے ترجیحات میں اپنے خاندان کو پہلے نمبر پہ رکھا۔"

"جی مگر ٗکیا میں ان کے بارے میں کچھ جان سکتا ہوں؟ مطلب اگر میں ان سے ملنا چاہوں تو.....؟"

کرسٹل بال گھماتے ان کے ہاتھ رکے ٗ وہ نفی میں سر ہلاتی پیچھے ہو کر بیٹھیں۔

"بالکل بھی نہیں سعدی! میرے کچھ اصول ہیں ٗ میں اسپانسر کی کوئی تفصیل آپ کو فراہم نہیں کر سکتی۔"

"اگر میں اصرار کروں تو بھی نہیں؟ میں صرف ان کا شکریہ....."

"کچھ سوالوں کے جواب جاننا ضروری نہیں ہوتا ٗان کو سوال ہی چھوڑ دینا چاہیے۔ میں آپ کا شکریہ

پہنچادوں گی ان تک۔"

"اچھا۔" وہ اداس ہوا۔ "کاش میں ان سے مل سکتا۔" پھر ذرا چونکا۔ "آپ میری زمر پھوپھو کو جانتی ہیں نا؟ آپ نے ان کو بتایا یہ سب؟"

ذرا پرجوش ہو کر وہ آگے ہوا۔ میڈم نے جواب دینے سے پہلے بہت دیر تک اس کا تمتماتا چہرہ دیکھا۔

"کیا آپ چاہتے ہو کہ میں ان کو ابھی خبر کردوں؟"

"نہیں نہیں، پلیز آپ مت بتائیے گا' میں خود ان کو سرپرائز دوں گا۔ تھینک یو سو مچ۔ میں چلتا ہوں۔" جلدی جلدی اجازت مانگتا' شکریہ کرتا دوبارہ آنے کا کہتا وہ دروازے کی طرف لپکا۔

"سعدی! آپ کی پھوپھو آپ سے بہت محبت کرتی ہیں۔ ان کے لیے کبھی کوئی قربانی دینی پڑے تو پیچھے مت ہٹنا۔" وہ جاتے جاتے مڑا۔

"جی' بالکل۔ اچھا آپ مت بتائیے گا' میں خود بتاؤں گا۔" اور وہ باہر تھا۔ میڈم نے سر جھٹک کر گہری سانس اندر اتاری اور سوچا محبت ایک بہت سادہ اور بہت پیچیدہ شے ہے۔

☼ ☼ ☼

حنین' سعدی کے ساتھ آئی تھی اور جتنی دیر وہ مسلسل جوش سے بولتا' دادی اور پھوپھو کو اپنے اسکالر شپ کی تفصیل بتاتا رہا' حنین اس کیک کے تین ٹکڑے کھا چکی تھی جو سعدی نے راستے سے لیا تھا۔

"یعنی کہ تمہاری ساری پڑھائی مفت؟ اور اخراجات بھی؟ واہ بھئی' یہ تو کمال ہو گیا۔"

بڑی امی بہت خوش تھیں' بار بار سعدی کے سر اور کندھے پہ ہاتھ پھیر کر کہتیں پھر فوراً" اضافہ کرتیں۔

"ندرت سے امید نہیں تھی کہ بچوں کو پڑھا پائے گی' اصل میں تمہارا باپ بہت لائق تھا' تم اور حنہ اسی پہ گئے ہو۔"

(اور سعدی' حنہ کے لیے یہ باتیں بے اثر تھیں۔ بڑی امی کے پاس ایک پوری فہرست تھی کہ فلاں صدی میں' فلاں کے گھر ندرت نے مجھے یوں اور یوں

کہا اور ندرت کے پاس بھی ایسی ہی ایک چارج شیٹ ہمہ وقت تیار رہتی تھی اور ان دونوں کی غیر موجودگی میں سعدی کہا کرتا تھا۔

"ہر شخص کو اپنا کام کرنا چاہیے۔ اللہ نے مرد کو دو کان اس لیے دیے تاکہ ایک سے سن کر دوسرے سے نکال دے اور عورتوں کو وہ اس لیے دیے تاکہ دونوں سے سن کر منہ سے نکالیں۔")

اور زمر خاموشی سے مسکراتی' ٹیک لگا کر بیٹھی اسے سن رہی تھی جو تب سے بولے جا رہا تھا۔

"میم نے مجھے ان کا نام تک نہیں بتایا' میرا بہت دل تھا کہ میں ان سے ایک دفعہ مل کر ان کا شکریہ ہی ادا کرسکوں۔" وہ یاد کر کے پھر سے اداس ہوا۔ حنین نے ادھر ادھر دیکھا۔ کوئی اس کی طرف متوجہ نہ تھا۔ اس نے آگے ہو کر چوتھا ٹکڑا نکالا' پیچھے ہوئی اور پوری دل جمعی سے کھانے لگی۔

"زمر!" سعدی لحظہ بھر کو چونکا۔ "آپ تو میڈم کو جانتی ہیں نا' آپ ان سے پتا کروا دیں تاکہ مجھے اسپانسر کس نے کیا ہے؟"

زمر ہنوز مسکرا رہی تھی۔ مطمئن اور پرسکون۔ سعدی کی بات پہ چند لمحے کے وقفے سے وہ بولی۔

"ٹھیک ہے' میں پتا کروا دوں گی' اگر انہوں نے بتایا' تو میرے اتنے ذرائع ہیں کہ میں وہ نام ڈھونڈ لوں گی' لیکن..." وہ لحظہ بھر کو رکی۔ "سعدی! احسان کا بدلہ کیا احسان کے سوا بھی کچھ ہوسکتا ہے؟ اگر تم جاننا چاہتے ہو تو ٹھیک ہے' مگر تمہیں نہیں لگتا کہ اگر کوئی تم پہ پیسہ لگا رہا ہے اور بدلے میں صرف اس کی اتنی خواہش ہے کہ وہ بے شناخت رہے تو تمہیں اس خواہش کا احترام کرنا چاہیے؟"

سعدی کے لب "اوہ" میں سکڑے۔ حنین نے اب پانچواں ٹکڑا اٹھایا۔

"یہ تو... میں نے سوچا ہی نہیں۔"

"ہاں' زمر ٹھیک کہہ رہی ہے۔ اس آدمی کے پاس ہوگا فالتو کا پیسہ' یہ نہ ہو کہ تمہارے ایسے قدم سے ناراض ہو کر فیس دینے سے انکار کردے۔" بڑی امی

بہت سمجھ داری سے ملنے لگیں۔ زمر کی مسکراہٹ ہنوز برقرار تھی۔ سعدی نے سمجھ کر سر ہلا دیا۔ پھر یاد آنے پہ پوچھا۔

"ویسے' جب ہم داخل ہوئے تو وہ کھوکھر صاحب باہر نکل رہے تھے' یہ وہ پراپرٹی ڈیلر ہیں نا جن کے پاس آپ نے مجھے بھیجا تھا جب ہم گھر بدلنے کا سوچ رہے تھے۔"

زمر کی مسکراہٹ صرف لمحے بھر کو ہلکی ہوئی' پھر وہ دوبارہ مسکرا دی۔ بڑی امی نے بھی چونک کر اسے دیکھا۔

"ہاں' ان کی جائیداد کا کیس میں ڈیل کر رہی تھی' اصل میں ان کی بہو کی اپنی ساس سے بالکل نہیں بنتی تب ہی بیٹا حصہ مانگ رہا ہے' میرا تو خیال ہے وہ بہو کافی سمجھ دار لڑکی ہے اور سارا قصور ساس کا ہی ہو گا' مگر....." کن اکھیوں سے ماں کو دیکھتے وہ سانس لینے کو رکی کہ بڑی امی کافی جوش میں آگے ہو کر کہنے لگیں۔

"کیوں؟ تمہیں کیا پتا' وہ ساس کے ساتھ کیا سلوک کرتی ہے جب....."

"چھوڑیں نا' ہمیں کیا بڑی امی! آئیے' کیک کھاتے ہیں۔" سعدی جلدی جلدی کہتا میز کی طرف رخ موڑ کر بیٹھا تو.....

کیک نفاست سے کٹا آدھا بچا تھا اور دوسری طرف صوفے پہ حنین یوسف بالکل صاف ہاتھ منہ کے ساتھ' ہتھیلی پہ ٹھوڑی جمائے بیٹھی علامہ اقبال کی طرح خلا میں گھور رہی تھی۔ سعدی نے اسے گھورا اور زمر نے اسے مسکرا کر دیکھا۔ وہ سعدی کو نظرانداز کر کے زمر کو دیکھ کر شرمیلا سا مسکرائی۔

"میرا اندازہ تھا کہ آج تم لوگ آؤ گے' اس لیے میں نے بہاری کباب بھی منگوا لیے تھے' پہلے وہ کھاتے ہیں پھر کیک۔"

زمر کہتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی۔ حنین کی آنکھیں چمک اٹھیں۔ سعدی بس سر جھٹک کر رہ گیا۔ وہ اس نامعلوم دل کے امیر شخص کی وجہ سے اتنا خوش تھا کہ گھر جا کر امی کو حنین کا بتانے کا ارادہ ترک دیا۔

اور چوکھٹ میں ذرا اوٹ میں کھڑے بڑے ابا نے تاسف اور فکر مندی سے زمر کے چہرے کو دیکھا' جو بہت طمانیت سے مسکراتی ہوئی کچن کی طرف جا رہی تھی وہاں کوئی "پچھتاوا" کوئی ملال نہیں تھا۔ ملال تو ان کے دل میں بھی نہیں تھا' مگر ذہن میں پریشانی ضرور تھی۔

سعدی اب بڑی امی سے پوچھ رہا تھا کہ وہ اس کے ماموں کے کزن کی شادی میں آئیں گی یا نہیں؟ اور بڑے ابا گہری سانس لیتے اندر چلے آئے۔ ابھی انہیں سعدی کا سرپرائز پہلی دفعہ سن کر اس پہ پہلا تاثر دینا تھا۔

☆ ☆ ☆

کاردار خاندان کا قصر' موسم گرما میں بھی بہار کے پھولوں سے سجا تھا۔ ولیمہ کی دعوت کا تھیم "پھول" تھے اور وہ جگہ جگہ بکھیرے گئے تھے۔ لان میں مستطیل میزوں کے گرد صوفے تھے اور مہمان کہیں بیٹھے' کہیں چل پھر رہے تھے۔ ان سب میں مرکز نگاہ وہ جوڑا تھا جس کے اعزاز میں وہ سب جمع تھے۔ ہاشم کا سوٹ سیاہ تھا اور شہرین کا گاؤن موتی جیسا سفید۔ سر پہ باریک کامدار دوپٹا کندھوں کے پیچھے گرتا تھا اور وہ ہاشم کی کہنی کو تھامے ہنستی ہوئی اس کے ساتھ چل رہی تھی۔ کافی دیر سے وہ دونوں آگے پیچھے مہمانوں میں گھوم رہے تھے۔ ان کو دیکھتی نگاہوں میں حسد' رقابت' خوشی' خلوص' غرض ہر طرح کے لوگوں کا ہر طرح کا جذبہ موجود تھا۔ صرف ایک شخص کی نگاہ مختلف تھی۔

سعدی اور حنین کی میز پہ موجود وارث بہت خاموش اور تیکھی نظروں سے ہاشم کو دیکھ رہا تھا۔ وہ خود فارس سے ذرا بڑا صاف رنگت اور گلاسز والا خوش شکل سا مرد تھا۔ اس کے انداز میں اس خاندان کے لیے قدرے ناپسندیدگی تھی اور وہ شاید صرف فارس کے مدعو کرنے پہ آیا تھا۔

"خالہ اور بچوں کے بغیر کیسی گزر رہی ہے' ماموں؟" ساتھ بیٹھے سعدی نے مخاطب کیا تو وارث

نے ہاشم سے نگاہ ہٹا کر اسے دیکھا۔ سعدی اپنے اکلوتے سوٹ میں جو اس پہ ذرا کھلا تھا بڑا بڑا لگ رہا تھا۔

"بس اب تو صرف تین سال رہ گئے ہیں۔" وہ دھیما سا مسکرایا۔

"آپ ہماری پارٹی میں کیوں نہیں آئے؟" سامنے ہتھیلی پہ ٹھوڑی گرائے بور سی بیٹھی حنین نے ناراضی سے پوچھا۔

"کیا اس کٹو بیگم کو کھانے کے علاوہ کچھ نہیں سوجھتا سعدی؟"

"یہ میرے سوال کا جواب نہیں ہے۔" انگریزی فلموں کے سارے بااعتماد اور ترنت جواب حنین کو یاد تھے۔

"میں مصروف تھا اور پھر جس پارٹی پہ تم لوگ اپنی پھپھو کو بلاتے ہو اس پہ میرا آنا نہیں بنتا۔ اچھا نہیں لگتا۔"

"اچھا۔" حنین چپ ہو گئی پھر بور سی ہو کر ادھر ادھر دیکھنے لگی 'تب ہی وہ اپنی دلہن کے ہمراہ ان کی میز تک آیا۔ وہ تینوں اس کے لیے کھڑے ہو گئے۔

"بس.... باقی سب کہاں ہیں؟" ہاشم نے شہرین سے تعارف کروا کر حیرت سے سعدی کو دیکھ کر پوچھا۔

"سیم کو بخار تھا تو امی اس کے پاس رک گئیں۔ بڑے ابا کی فیملی کو کہیں اور جانا تھا اور فارس ماموں...." کہتے ہوئے سعدی نے لان کے داخلی چیک پوائنٹ کو دیکھا۔ "تو وہ دعوت کے شروع میں تھے' مگر پھر وہ ایوننگ کلاس کے لیے چلے گئے۔"

(جبکہ فارس نے بس سرسری سا پوچھا تھا' تمہارے دادا کی فیملی نہیں آئے گی؟ سعدی نے بتایا' نہیں' تو وہ بس دس منٹ رکا اور پھر اٹھ گیا۔ وارث بھی زیادہ دیر نہیں بیٹھنا چاہتا تھا' مگر سعدی اور حنین کی وجہ سے وہ پابند ہو کر رہ گیا تھا۔)

"اس دن کے لیے دوبارہ شکریہ۔" اس نے پھر سے سعدی کا کندھا تھپک کر کہا تو وہ شرمندہ ہو گیا اور بات بدلنے کو ماموں کی طرف مڑا۔

"میں اس دن جو سارہ خالہ کے بارے میں بتا رہا تھا' وہ ان کی وائف ہیں۔"

"میں جانتا ہوں۔" ہاشم نے مسکرا کر سر ہلایا۔ شہرین پلٹ کر کسی اور سے باتیں کرنے میں محو تھی۔

"اور وارث! کیا کر رہے ہو آج کل؟"

جیبوں میں ہاتھ ڈالے کھڑے وارث نے ذرا سے کندھے اچکائے۔

"کچھ گڑے مردے اکھاڑنے کی کوشش کر رہا ہوں۔"

ہاشم نے مسکراتے ہوئے گہری نظروں سے اسے دیکھا۔ "میری مدد کی ضرورت ہو تو بتانا۔"

"ہوں.... ضرور بتاؤں گا۔"

ہاشم مسکرا کر جانے کو مڑا' پھر حنہ کو دیکھ کر رکا۔

"میں نے اتنا shaky کیمرا ورک آج تک نہیں دیکھا۔" اس کی تعریف کر کے وہ پلٹ گیا تو حنین نے شانے جھٹکے۔

"پتا نہیں پہلی دفعہ میں کوئی میرا یقین کیوں نہیں کرتا۔"

"کیا شاندار بندے ہیں یہ ہاشم بھائی۔" واپس بیٹھتے ہوئے سعدی نے بہت فخر سے کہا تو وارث نے چونک کر اسے دیکھا۔

"تمہیں معلوم بھی ہے کہ یہ کون ہے؟"

"جی یہ بہت اچھے وکیل ہیں۔"

"بہت اچھے دفاعی وکیل ہیں' وہ بھی کرمنلز کے اور کرمنل کے دفاعی شخص کو میں کرمنل سے الگ نہیں سمجھتا۔"

"ماموں!" سعدی بہت سنجیدگی سے اس کی طرف مڑا۔ "ہو سکتا ہے آپ ان کو پسند نہ کرتے ہوں اور شاید ان کی عزت بھی نہ کرتے ہوں اور ہو سکتا ہے کہ ان کی کمپنی کرپشن میں بھی ملوث ہو مگر اس سب کے باوجود' ہم ان کو کرمنل نہیں کہہ سکتے۔ میں ان کو جانتا ہوں' وہ بہت اچھے ہیں۔"

وارث چپ ہو گیا۔ اگر سعدی کو پتا چل جائے کہ وہ ہاشم کو اتنا نہیں جانتا تو....؟

میری اینجیو مسکراتے ہوئے آئی اور سعدی کے کان کے قریب جھکی۔

"مسز کاردار آپ کا انتظار کر رہی ہیں۔"

وہ چونکا' پھر ان سب سے معذرت کرتا اٹھ آیا۔

باہر نیلی شام میں سیاہی گھلنے لگی تھی مگر اندر روشنیوں کا سورج جوبن پہ تھا۔ پھول ہی پھول' روشنی ہی روشنی۔ لاؤنج میں رک کر سعدی نے گردن اٹھائی۔ سیڑھیوں سے اوپر ہاشم کے کمرے کے سامنے ریلنگ پہ کہنی ٹکائے دوسرے ہاتھ میں نیکلس کا موتی تھماتی وہ کسی ملکہ کی شان سے کھڑی تھی۔ سرخ لمبا گاؤن' سرخ لپ اسٹک کے ساتھ آنکھوں میں گہرا کاجل اور گہرا اضطراب تھا۔

سعدی قدم قدم چڑھتا اوپر آیا۔ بالکل جواہرات کے مقابل۔

"آپ کا چھوٹا بیٹا کیسا ہے؟" سعدی نے کھنکھار کر بات کا آغاز کیا۔ جواہرات مضطرب سی' مسکرانے کی سعی کی' مگر آنکھوں میں نمی ابھر آئی۔

"وہ تیار ہے۔ کمرے میں ہے۔ بھائی کے لیے دعوت میں شامل ہو بھی جائے گا مگر... خوش نہیں ہو گا۔" مسکراتے ہوئے سر جھٹکنے کی سعی میں ضبط سے آنکھیں گلابی ہوتی گئیں۔ سعدی نے پتلیاں سکیڑ کر غور سے اس کا چہرہ دیکھا۔

"یعنی... کاردار صاحب کو علم ہو گیا؟" جواہرات نے اثبات میں گردن ہلائی۔

"اورنگ زیب نے اسے بہت جھڑکا ہے۔ وہ اپ سیٹ ہے۔"

"آپ مجھ سے کیا چاہتی ہیں مسز کاردار؟" وہ نرمی سے بولا۔

"ہر پریشانی میں ایک ہی خیال ہوتا ہے ہاشم سنبھال لے گا' مگر آج ہاشم کا بڑا دن خراب نہیں کر سکتی' ورنہ سنبھال تو وہ اب بھی لیتا۔" اس نے نرمی سے سعدی کی کہنی پہ ہاتھ رکھا۔ "کیا تم کچھ کر سکتے ہو؟"

سعدی نے گردن موڑ کر شیرو کے کمرے کو دیکھا۔

"مجھے کوشش کرنے دیں۔" اس نے دروازے پر دستک دی۔ جواہرات ایک طرف ہٹ گئی۔ سعدی نے دروازہ دھکیلا۔

بیڈ کے کنارے وہ سر جھکائے بیٹھا تھا۔ سوٹ' جوتے' ٹائی' سب تیار تھا' مگر خود بجھا بجھا سا تھا۔ سعدی کو دیکھ کر وہ پھیکا سا مسکرایا۔

"میں' سعدی... فارس کا..."

"آئی نو... بھائی نے بتایا تھا۔ آؤ۔"

سعدی چند قدم اندر آیا' دروازہ واپس دھکیلا' تو وہ چوکھٹ سے تین انچ کے فاصلے پہ جا ٹھہرا۔ باہر کھڑی جواہرات کی مضطرب سماعتیں وہیں لگی تھیں۔

"کیسی طبیعت ہے تمہاری؟" وہ سامنے کھڑے کھڑے احتیاط سے پوچھنے لگا۔ شیرو نے سر جھٹکا۔

"بتایا تھا ممی نے کہ تم نے مجھے بچانے کی کوشش کی تھی' تھینکس۔ مگر کاردار صاحب کو علم ہو گیا۔"

"میں نے تمہیں بچانے کے لیے کچھ نہیں کیا۔ وہ فکر مند تھے' میں نے ان کو مزید پریشان نہیں کرنا چاہا تھا۔" جواہرات نے چونک کر دروازے کو دیکھا۔ شیرو بھی چونکا تھا۔

"وہ میرے لیے... کبھی پریشان نہیں ہو سکتے۔" پھر رکا۔ "کیا وہ واقعی پریشان تھے؟"

"بہت زیادہ... اس لیے تمہیں نیچے جا کر ان کو ان کے بیٹے کی شادی کی مبارک باد دینی چاہیے۔"

نوشیرواں کے ماتھے پہ بل پڑے۔ آنکھوں میں خفگی در آئی۔ "کیا تمہیں لگتا ہے وہ مجھے معاف کر دیں گے؟" آواز بلند ہونے لگی۔ "میں ہارورڈ نہیں جا سکا۔ کولمبیا نہیں جا سکا' میں ان کے آفس میں دلچسپی بھی نہیں رکھتا' میں ڈرگز لینے لگ گیا تھا اور اس روز ڈرگز کے باعث میں نے خود کو اسپتال پہنچا دیا۔ ان کو اتنا مایوس کیا خود سے۔ اس سب کے بعد وہ مجھے کیا سمجھتے ہوں گے؟"

"صرف اپنا بیٹا۔"

وہ جو غصے سے بولے جا رہا تھا۔ جھٹکا کھا کر رکا۔ تنے تاثر ڈھیلے پڑے۔ یک ٹک سعدی کو دیکھے گیا۔

"اور معافی' شکریہ اور اظہار محبت' ان تین چیزوں

کی خون کے رشتوں میں بھی ضرورت نہیں ہوتی۔ صرف رویہ درست کرنا ہوتا ہے اور سب ٹھیک ہو جاتا ہے۔"

"اور... اور اگر انہوں نے مجھے ڈانٹ دیا؟" وہ اندر سے ڈرا ہوا تھا۔

"میں تمہیں ایک کہانی سناتا ہوں نوشیرواں!" سعدی نے سر جھکائے، جوتے سے لکڑی کا فرش مسلتے کہنا شروع کیا۔

"میں ایک لڑکے کو جانتا ہوں، جس کا باپ اسکول ٹیچر تھا۔ تنخواہ کم تھی اور گزارہ مشکل سے ہوتا، مگر وہ لڑکا کبھی بھی اپنے باپ کے سامنے خواہشات کی فہرست نہیں رکھتا تھا۔ اسکول لے جانے کو پیسے بھی نہ مانگتا، مگر جب وہ تیرہ سال کا تھا تو اسکول فنکشن کے لیے اسے نئے جوتوں کی ضرورت پڑی بلکہ ضرورت نہیں، صرف خواہش تھی کیونکہ اس کے دوستوں نے نئے جوتوں کی نمائش کی تھی، وہ جن میں رنگ برنگی لائٹیں لگی ہوتی ہیں۔ اس روز اس نے اپنے باپ سے کہا کہ اسے بھی وہی جوتے چاہئیں۔ باپ کچھ دیر کو چپ ہوا تو وہ سمجھا کہ باپ نہیں لے کر دے گا، وہ باپ سے ناراض ہو گیا، اس نے باپ سے بات کرنا بھی ترک کر دی۔ رات اس کے سرہانے اس کا باپ آیا اور کہا کہ وہ اسے کل جوتے لا دے گا، بالکل وہی جوتے، مگر وہ لڑکا ناراض رہا اور آنکھیں بند کر کے سوتا بن گیا۔

صبح اس کا باپ اسکول سے جلدی چھٹی لے کر جوتوں کی اس مہنگی دکان پہ گیا۔ جانے کہاں سے پیسے جوڑ کر اس نے وہ جوتے خریدے اور جب وہ سڑک عبور کر رہا تھا تو ایک بس نے اسے ٹکر مار دی۔" لمحے بھر کو نیچے دیکھتا سعدی خاموش ہوا۔

"جب لوگ اس کے باپ کی لاش کو گھر لائے تو ساتھ خون میں نہایا جوتوں کا ڈبا بھی تھا۔ جوتے آ گئے نوشیرواں! باپ چلا گیا۔ اگر تم اس لڑکے سے کہو کہ اس شرط پہ کہ اس کی زندگی پانچ منٹ بعد لے لی جائے گی، اس کا باپ اس کے سامنے آ جائے اور ان پانچ منٹ میں صرف اس کو ڈانٹے، اور وہ ساری ڈانٹ سن کر صرف معافی مانگ سکے تو اس لڑکے کو وہ پانچ منٹ کی زندگی بھی قبول ہو گی، کیونکہ اپنی زندگی کے اگلے پانچ سال میں اس نے یہ بات اچھی طرح جان لی تھی کہ باپ کا کوئی replacemnet نہیں ہوتا۔"

نوشیرواں کی رنگت زرد پڑ چکی تھی۔ وہ ایک دم اٹھا اور باہر نکل گیا۔ جواہرات پیچھے ہوئی، مگر اسے دیکھے بغیر وہ تیز قدموں سے سیڑھیاں اترنے لگا۔ نیچے لاؤنج میں اورنگ زیب کھڑے کسی ملازم کو ہدایات جاری کر رہے تھے۔ شیروان کے قریب رکا، جھجکا، پھر ان کو کچھ کہتے ہوئے ان کے گلے لگا۔ شاید وہ ہاشم کی شادی کی مبارک باد دے رہا تھا۔

اورنگ زیب نے سن کر اسے خود سے الگ کیا۔ خفگی سے کچھ کہتے کوٹ کا بازو جھاڑا جیسے شکن نہ پڑ گئی ہو، مگر اب ان کے چہرے پہ وہ سختی نہ تھی اور شیرو کا چہرہ دمک رہا تھا۔ جواہرات نے آنکھیں بند کیں۔ ساری نمی اندر اتاری اور پھر پلٹ کر کمرے میں آئی۔

سعدی یونہی سر جھکائے کھڑا تھا۔ آہٹ پہ سر اٹھاتے ہوئے چہرے کے ساتھ ہلکا سا مسکرایا۔

"تھینکس!" وہ کچھ بول نہیں پا رہی تھی۔ اس کے سامنے جا کھڑی ہوئی۔

"کیا واقعی... اورنگ زیب اس دن شیرو کے لیے پریشان ہوا تھا؟"

"اور کیسے پریشان ہوا جاتا ہے؟" اسے الٹا تعجب ہوا۔ جواہرات نے مسکرا کر سر ہلایا۔

"شاید، میں بھی شیرو کی طرح کبھی کبھی اس کو سمجھ نہیں پاتی۔ وہ ایک سخت گیر باپ ہے، مگر... اسے صرف ہاشم سنبھال سکتا ہے۔ خیر... کبھی کبھی آ جایا کرو۔ تم سے بات کر کے اچھا لگتا ہے۔"

"میں لیڈز چلا جاؤں گا جلد، مجھے اسکالرشپ مل گیا ہے۔ کیمیکل انجینئرنگ۔"

"شیرو بھی... انجینئرنگ پڑھے گا۔"

"مگر وہ تو مانچسٹر جائے گا، ہاشم بھائی نے بتایا تھا۔"

جواہرات نے ایک نظر سعدی پہ ڈالی اور ایک شیرو کے کمرے پہ۔

"نہیں' اس نے ابھی فیصلہ نہیں کیا۔"

(اچھا؟ سعدی کو حیرت ہوئی۔ ہاشم بھائی تو بالکل شیور تھے۔)

"کیا تم مجھے اپنی فیملی سے نہیں ملواؤ گے۔" وہ مسکرا کر خود کو کمپوز کرتی اس کے ساتھ باہر آئی۔ سعدی نے بھی مسکرا کر سر ہلایا۔

وہ دونوں ہمراہ چلتے جب سیڑھیوں کے وسط میں تھے تو جواہرات نے رک کر اسے دیکھا۔

"اگر اس لڑکے کے والد آج زندہ ہوتے تو اس پہ بہت فخر کرتے۔"

سعدی نے جواب نہیں دیا' بس اداسی سے مسکرا کر زینے اترنے لگا۔

☆ ☆ ☆

شام' مغرب میں ڈھل چکی تھی اور فارس لائبریری کے کونے والی میز پہ بیٹھا بور سا ہو کر بار بار گھڑی دیکھ رہا تھا۔ سامنے نوٹس اور کتابیں بھی منتظر سی پڑی تھیں۔

دفعتاً" وہ آتی دکھائی دی۔ کندھے پہ بیگ' ہاتھوں میں کتابیں' بال جوڑے میں بندھے۔ تھکے تھکے انداز میں کرسی کھینچی' بیگ رکھا۔ فارس فوراً" سیدھا ہو کر بیٹھا۔

"مجھے نماز میں دیر ہو گئی۔" اس کو دیکھے بنا وہ بیٹھ کر کتاب کھول رہی تھی۔ فارس نے سر کو خم دیا' پھر لگا کوئی اور بھی سامنے کھڑا ہے' چونک کر چہرہ اٹھایا تو ساتھ والی کرسی کھینچ کر جمشید افضل بیٹھ رہا تھا۔ اس سے پہلے کہ فارس ناگواری سے اسے روکتا کہ بھائی تم کدھر؟ زمر نے کہا۔

"جمشید کو بھی یہی ٹاپک سمجھانا تھا۔ بیٹھیے جمشید۔ یہ آج ہم کور کریں گے۔" کتاب کے صفحے پلٹتے اشارہ کرتی وہ بہت مصروف لگ رہی تھی۔ تھکی ہوئی بھی۔

عینک لگانے والا وہ دبلا پتلا **تھیٹا** اسٹوڈنٹ تابعداری سے سامنے بیٹھا۔ فارس نے تند نگاہوں سے اسے گھورا اور ضبط سے رخ پھیر لیا۔ وہ شدید بدمزا ہوا تھا۔ خود اسے بھی معلوم نہیں کہ کیوں۔

زمر اب بال پین ہاتھ میں پکڑے باری باری دونوں کو دیکھتی سمجھا رہی تھی۔ جمشید جلدی جلدی رجسٹر پہ نوٹس لینے میں مگن تھا اور فارس گاہے بگاہے ایک اکھڑی اکھڑی سی نظر اس پہ ڈال لیتا۔ "ہونہہ..... یہ بنیں گے وکیل۔ جج نے ایک پھونک مارنی ہے' اور اس نے اڑ جانا ہے۔"

دس منٹ بعد وہ لڑکا اس کے لیے ناقابل برداشت ہو گیا تھا۔ وہ کچھ پوچھ رہا تھا اور زمر دوبارہ اسے وہی بات سمجھا رہی تھی۔ فارس کی بےزاری بڑھنے لگی۔ تب ہی زمر کا فون بجا۔ کال ضروری تھی' وہ معذرت کرتی اٹھ کر باہر چلی گئی۔

اس نے اب بہت فرصت سے پتلیاں سکیڑ کر اس **چشمش** کو دیکھا پھر اس کے سامنے میز انگلی سے بجائی۔ رجسٹر پہ لکھتے لڑکے نے چونک کر اسے دیکھا۔

"وہ کتاب پکڑانا۔" تحکم سے میز کے دوسرے سرے پہ رکھی کتاب کی طرف اشارہ کیا۔ وہ تابع داری سے سر ہلاتا جیسے ہی اٹھا' فارس نے اس کی کتابوں کے ساتھ رکھا اس کا موبائل اچک کر اپنی جیب میں رکھا۔ لڑکا واپس آیا' کتاب سامنے رکھی اور رجسٹر پھر سے کھول لیا۔ فارس نے ہتھیلی اس کے سامنے کی۔

"ذرا فون دینا اپنا۔ میرا کریڈٹ نہیں ہے۔ ایک کال کرنی ہے۔"

لڑکے نے مسکرا کر اپنی کتاب ہٹائی' پھر رجسٹر ہٹایا' پھر نوٹس ایک طرف کیے۔ مسکراہٹ غائب ہوئی۔ وہ پریشان سا چیزیں الٹ پلٹ کرنے لگا۔ پھر جیب تھپتھپائے۔

"نہیں دینا تو نہ دو۔" وہ بگڑے موڈ سے بولا۔

"نہیں' ابھی تو میرے پاس تھا۔ آپ بیل دیں گے ذرا؟"

"لو..... میرا کریڈٹ ہوتا تو تم سے کیوں مانگتا۔" اس نے ناک سے مکھی اڑائی۔ "ویسے آخری دفعہ کہاں استعمال کیا تھا فون؟"

"وہ..... ہاں..... ڈاکٹر عبدالباری کے آفس کے

سامنے۔"

"وہ تو دو بلاکس دور ہے' راستے میں گرا ہو گا۔ اب تک تو کوئی لے اڑا ہو گا۔ یوں کرو' واپس جاؤ اور راستے کا ایک ایک پتھر اٹھا کر دیکھو۔ شاباش۔" ساتھ ہی اس کا شانہ تھپتھپایا۔ وہ سنگل پسلی ہل کر رہ گیا' پھر جلدی جلدی چیزیں سمیٹتا وہاں سے بھاگا۔

زمر جب آئی تو چیونگم چباتا فارس اکیلا وہاں بیٹھا تھا۔ اس نے تعجب سے خالی کرسی کو دیکھا۔

"یہ کہاں گیا؟"

"پتا نہیں۔ کچھ کھو بیٹھا تھا۔ اتنی جلدی میں بھاگا کہ موبائل بھی چھوڑ گیا۔" لاپروائی سے میز پہ رکھے موبائل کی طرف اشارہ کیا جس کو وہ آف کر چکا تھا۔ زمر ناگواری سے سر جھٹکتے واپس بیٹھی۔

"یہ نان سیریس اسٹوڈنٹس بھی نا۔"

"نہیں! آپ اصرار کرتی ہیں تو اس کا انتظار کر لیتے ہیں۔ آدھا پون گھنٹہ ہی لگے گا اسے۔" بہت ہی خیر خواہی سے پوچھا۔

"کوئی ضرورت نہیں ہے۔" وہ درشتی سے کہتی کتاب کھولنے لگی۔ وہ سر ہلا کر بہت انہماک سے اسے سننے لگا۔ اب وہ بہت بہتر محسوس کر رہا تھا۔

☼ ☼ ☼

اس اونچے اور نفیس لاؤنج میں نہ پھول تھے' نہ اس دن کی رونق۔ ایک کنارے پہ قد آور کھڑکی کے ساتھ دو کرسیاں ساتھ ساتھ رکھی تھیں۔ ان کے درمیان چھوٹی میز پڑی تھی۔ ایک کرسی پہ جواہرات ٹانگ پہ ٹانگ جمائے بیٹھی' گردن ذرا ترچھی کر کے بائیں ہاتھ پر بیٹھے سعدی کو مسکرا کر سن رہی تھی' جو آگے کو ہو کر بیٹھا اپنے ہاتھوں کو دیکھتا رہا تھا۔

"پھر ابو کے ایکسیڈنٹ کے بعد امی نے ٹیچنگ شروع کر دی۔ اب تو وہ ریٹائرڈ ہونے والی ہیں۔ صحت بہت اچھی نہیں ہے ان کی۔" وہ کافی دیر سے بولتا اب خاموش ہوا۔

جواہرات نے مسکرا کر ابرو اچکائے۔ "اچھا لگا

WWW.PAKSOCIETY.COM

تمہیں سن کر۔ اس سے بھی زیادہ اچھا یہ کہ تم میری ایک کال پہ چلے آئے۔ آتے جاتے رہا کرو۔"

"اب اگلے سال چھٹیوں پہ ہی آؤں گا۔ ہاں کوشش کروں گا کہ کبھی شیرو سے مانچسٹر میں ملاقات ہو جائے۔"

"کیا میں نے تمہیں نہیں بتایا کہ وہ بھی تمہاری ہی یونیورسٹی میں جارہا ہے۔" سعدی نے چونک کر اسے دیکھا۔ وہ بدستور مسکرارہی تھی۔

"مگر....." وہ چپ ہو گیا۔

"میں جس سعدی یوسف کو جانتی ہوں۔ وہ کافی صاف گو ہے تو تم بتا کیوں نہیں دیتے کہ تمہیں کیا برا لگا ہے؟"

"آئی ایم سوری..... مگر..... آپ نے اسے اپنا فیصلہ بدلنے پہ کیوں مجبور کیا ہے؟"

"میں نے صرف خواہش کی اور وہ مان گیا۔"

"مگر..... کیوں؟"

"تم درست سوچ رہے ہو۔ میں چاہتی ہوں کہ تم میرے بیٹے کے ساتھ رہو۔"

سعدی نے الجھ کر اسے دیکھا۔ "مسز کاردار! اگر آپ چاہتی ہیں کہ اس کا خیال رکھوں تو میں بے بی سٹر نہیں ہوں۔ اگر آپ چاہتی ہیں کہ اس کو ہر وقت نصیحتیں کرتا رہوں تو میں مبلغ بھی نہیں ہوں اور اگر یہ چاہتی ہیں آپ کہ میں اس کے پل پل کی خبر آپ کو دوں، تو میں جاسوس بھی نہیں ہوں۔"

"میں یہی سب چاہتی ہوں، مگر بے بی سٹر، مبلغ یا جاسوس کی حیثیت سے نہیں۔ ایک دوست بن کر۔"

"ہماری پہلے ہی اچھی دوستی ہو چکی ہے اور دوست بن کر میں یہ سب کر سکتا ہوں، لیکن جتنا میں آپ کے بیٹے کو سمجھا ہوں۔" اس نے نفی میں گردن ہلائی۔

"اگر اسے یہ علم ہوا کہ آپ نے میری وجہ سے..... اونہوں..... وہ بہت خفا ہو گا۔"

"سعدی! میرا بیٹا ڈر گزرہ تھا، باپ سے نالاں تھا، اب وہ وعدہ کر چکا ہے خود کو بدلنے کا، مگر کیا مجھے اس کا یقین کر لینا چاہیے یا اس کی فکر کرنی چاہیے؟ مجھے اس کی صحت کی فکر اس کی یونیورسٹی سے زیادہ ہے اور مجھے لگا کہ میں تم پہ بھروسا کر سکتی ہوں۔ کیا تم میرے اچھے دوست نہیں ہو۔"

سعدی نے گہری سانس لے کر اثبات میں سر ہلایا۔

"اوکے۔ مگر میں اس کی پشت پہ کبھی بھی کچھ ایسا نہیں کروں گا جس پہ وہ مجھ سے خفا ہو۔ خیر! آپ بتائیں، ہاشم بھائی کیسے ہیں؟ ان کے ہنی مون پہ جانے کے بعد آپ تو ان کو بہت مس کر رہی ہوں گی۔"

جواہرات نے شانے اچکائے۔ "اس کی غیر موجودگی میں تو یہ گھر کاٹ کھانے کو دوڑتا ہے۔"

"وہ اپنی بیوی کے ساتھ واپس آئیں گے تو پھر رونق ہو جائے گی۔"

"محبت اندھی ہوتی ہے، مگر امید ہے کہ شادی آنکھیں کھول دے گی۔ اسے جلد علم ہو جائے گا کہ اس لڑکی نے صرف اس کے اسٹیٹس کی وجہ سے اس سے شادی کی ہے۔"

سعدی کو اس بات کی امید نہیں تھی۔

"اگر..... ایسا تھا تو آپ نے ان کو روکا کیوں نہیں؟"

"میں روکتی تو وہ نہ کرتا۔ زیادہ بہتر ہے کہ وہ تجربہ کر کے سیکھے۔" پھر ہاتھ اٹھا کر پانچ انگلیاں اسے دکھائیں۔ "پانچ سال بھی نہیں چلے گی اس کی یہ شادی۔ تم یہ بات کسی ڈائری میں لکھ کر رکھ لینا۔"

"اچھا۔ مجھے تو وہ اچھی لگ رہی تھی ان کے ساتھ۔" وہ سوچ میں پڑ گیا۔

"وہ اس لیے کہ تم اچھے ہو اور تمہیں ایک بات کہوں؟" چونکہ وہ اس کے بائیں طرف بیٹھا تھا تو جواہرات ترچھی ہو کر اس کی طرف مڑی۔ "سعدی کا مطلب ہوتا ہے خوش قسمت اور بہت اچھے لوگ کبھی بھی خوش قسمت نہیں ہوتے۔"

"یہ منحصر ہے کہ آپ خوش قسمتی کسے کہتی ہیں۔ غم کا ملنا بدقسمتی نہیں ہے، خوشی کا ملنا خوش قسمتی نہیں ہے۔"

جواہرات نے مسکرا کر گلاس اٹھایا اور گھونٹ گھونٹ پینے لگی۔

وہ جب اوپر شیرو کے کمرے میں آیا تو وہ کمپیوٹر کے سامنے بیٹھا کوئی گیم کھیل رہا تھا۔

"آؤ بیٹھو۔" اس نے اسکرین پہ نظریں مرکوز کیے اپنے پیچھے سے ایک کشن نکال کر سعدی کی طرف اچھالا۔ سعدی نے کشن اس کے قریب رکھا اور وہیں بیٹھ گیا۔

"تمہاری ممی نے بتایا کہ تم بھی لیڈز جا رہے ہو۔"

"ہاں' انہوں نے بتایا تھا کہ تمہارا ابھی وہیں داخلہ ہوا ہے۔" وہ بہت انہماک سے گیم کی طرف متوجہ تھا۔ ایک دم بُرا سا منہ بنا کر کچھ کیز زور سے دبائیں اور پھر "اف" کر کے میز پہ مکا مارا۔ گیم اوور۔

"تم ابھی اس کے چالیس ویں راؤنڈ پہ ہو؟" سعدی نے تعجب سے اسکرین کو دیکھا۔ "میری بہن تو ایک سو دس راؤنڈز کر چکی ہے۔"

شیرو بے یقینی سے اس کی طرف مڑا۔ "میں مان ہی نہیں سکتا۔ سو سے اوپر پوری دنیا میں صرف تین لوگ گئے ہیں اور ان کا نام ہائی اسکورر کی فہرست میں ہے۔ میں تمہیں دکھاتا ہوں۔" اسے جیسے سعدی کی اس بڑھک کو جلد سے جلد غلط ثابت کرنا تھا۔ فوراً" بٹن دباتا کچھ صفحے کھولتا گیا۔ یہاں تک کہ ایک فہرست سامنے آئی۔ سعدی خاموشی سے دیکھتا رہا۔

"یہ دیکھو! اس گیم میں آج تک صرف یہی لوگ..." نوشیرواں بولتے بولتے ہکلا گیا۔

فہرست کا دوسرا نام جگمگاتے ہوئے اس کے سامنے تھا۔ حنین یوسف۔

"یہ میری بہن ہے۔" سعدی نے بنا کچھ جتائے اشارہ کیا۔ نوشیرواں بالکل پھٹی پھٹی نگاہوں سے اس دس افراد کی فہرست کو دیکھ رہا تھا۔ باقی بہت سے لوگوں نے اپنے ناموں کی جگہ نک نیمز بھی رکھے ہوئے تھے' اگر حنین کا کوئی اور نک ہوتا تو وہ سعدی کو جھوٹا قرار دیتا۔ مگر...

"خیر! پہلے پہ تو وہ پھر بھی نہیں ہے۔" شیرو نے بظاہر لاپروائی سے ناک سے مکھی اڑائی۔ سعدی کی نظریں فہرست کے سب سے اوپر والے نام تک اٹھ گئیں۔

اس نے ذرا آگے ہو کر پڑھا۔ وہ نک نیم تھا۔

" Ants Everafter "

"یہ کون ہے؟" بہت دفعہ حنین نے اسے یہ فہرست دکھائی تھی' پھر بھی اس نے نوٹ شاید اب کیا تھا۔ شیرو نے مذکورہ شخص کی پروفائل پہ کلک کیا۔

"کوئی امریکن لڑکی ہے۔ اس سے زیادہ معلومات نہیں اوپن کر رکھیں۔ کیا تم میرے ساتھ کھیلنا چاہو گے؟" وہ نئی گیم شروع کرنے لگا تھا۔

"نہیں۔" سعدی بور سا ہو کر پیچھے ہوا۔

"میں ایک بات اچھی طرح جانتا ہوں نوشیرواں! کہ میں کوئی بھی گیم نہیں جیت سکتا۔ میرے پاس پھوپھو' حنین یا ہاشم بھائی جیسا دماغ نہیں ہے۔"

(باقی آئندہ ماہ ان شاءاللہ)